باسمہ تعالیٰ

شمارہ نمبر 3

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

اگست 2022ء

مجلہ راہِ ہدایت پشاور

شادباش وشادزی اے سرزمینِ دیوبند ۞ ہند میں تونے کیا اسلام کا جھنڈا بلند



ناشر: نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ نمبر: 03428970409

مجلّہ راہِ ہدایت پشاور

شمار	فہرست	صفحہ

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

نور پور شرما اور مماتی رویہ

علامہ ادریس کاندہلویؒ لکھتے ہیں کہ

" عصماء ایک یہودی عورت تھی جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھی۔ اور طرح طرح سے آپ کو ایذاء پہنچاتی تھی۔ لوگوں کو آپ ﷺ سے اور اسلام سے برگشتہ کرتی ۔ہنوز آپ ﷺ بدر سے واپس نہ ہوئے تھے کہ پھر اسی قسم کے اشعار کہے ۔ عمیر بن عدیؓ کو سنتے ہی جوش آیا اور یہ منت مانی کہ اگر اللہ کے فضل سے رسول اللہ ﷺ بدر سے صحیح سالم واپس آگئے تواس کو ضرور قتل کروں گا۔رسول اللہ ﷺ جب بدر سے مظفر و منصور اور صحیح وسالم واپس تشریف لائے۔تو عمیرؓ شب کے وقت تلوار لیکر روانہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے۔اور چونکہ نابینا تھے اس لئے عصماء کو ہاتھ سے ٹٹولا اور بچے جواس کے گرد تھے۔ان کو ہٹایا اور تلوار کو سینہ پر رکھ کراس زور سے دبایا کہ پشت سے پار ہوگئی۔نذر پوری کرکے واپس ہوئے، اور صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اداء فرمائی،اور واقعہ کی اطلاع دی اور عرض کیا یارسول اللہ مجھ پراس بارے میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔
آپ ﷺ نے فرمایا نہیں"لاینطح فیھا عنزان"اس بارے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائے گی یعنی یہ ایسا فعل ہی نہیں کہ جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف اور نزاع کرسکیں ۔انسان تو درکنار بھیڑ اور بکریاں بھی اس میں اپنے سینگ نہ ٹکرائے گی۔پیغمبر بر حق کی شان میں گستاخی کرنے والے کا قتل کہیں قابل مواخذہ ہوسکتاہے بلکہ اعظم قربات اور افضل عبادات میں سے ہے جس میں کوئی نزاع ہی نہیں کرسکتا۔(سیرۃ المصطفی ۲:۱۷۲)

حال ہی میں ہندوستان کے ایک ہندو عورت نورپور شرما نے ایک ٹی وی ٹاک شو میں حضور پاک ﷺ اور حضرت امی جان بی بی عائشہؓ کے نکاح کے متعلق توہین آمیز لہجہ میں کلمات بکے۔بعد میں جب دنیا کے کونے کونے میں عشاق رسول ﷺ نے احتجاجات شروع کیے اور حکومت پر عوام کی دباؤ آئی تو اس عورت نے عذر گناہ از بد تر گناہ پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات تو میں نے مسلم لٹریچر سے کہی ہے۔
بس پھر کیا تھا کہ ملک بھر میں مماتی علماء نے اپنے شیخ ملتانی کے سنت پر عمل کرتے ہوئے امام بخاری پر زبان درازی شروع کی۔کہ یہ نوسال والی روایت امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔اور امام بخاری کی اس روایت کی وجہ سے مخالفین اسلام اسلام پر ہنستے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھاکہ یہ لوگ نورپور شرما کو تحقیقی جواب دیتے۔ اس کے خلاف میڈیا پر اپنا احتجاج ریکارڈ کرتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا جس پر سوائے افسوس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔الٹا امام بخاریؒ پر شروع

ہوگئے۔ امام بخاریؒ کے اس روایت کے ساتھ آپ متفق نہ ہو تو ہزار بار صحیح۔لیکن ایک سخریہ لہجے میں اس روایت اور امام بخاریؒ کو عوام کے سامنے پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟
خیبرپختونخوا کے مفتی منیر شاکر نے تو اتنا تک کہا نقل کفر کفر نہ باشد۔کہ امام بخاری کی آپ لوگ عبادت کرتے ہے خدا کے قرآن کے مقابلے میں بخاری پیش کرنا بخاری کو معبود ماننا ہے۔بلکہ یہاں تک کہاکہ بخاری میں جویہ روایت موجود ہے کہ اللہ تعالی بندے کا کان بن جاتاہے الخ۔۔۔یہ حلول کانظریہ ہے اور عیسائیوں کا نظریہ ہے جو بخاری پیش کرتے ہے معاذاللہ۔ یہ سارا بکواس ان کے پیج پر موجود ہے جو ہر ایک ساتھی اس پہ جاکر دیکھ اور سن سکتا ہے۔
اس کے ساتھ چند دیگر مماتیوں نے بھی نکاح والی روایت پر دل کھول کر اعتراضات کیے۔ جن میں مولوی خضرحیات، وکیل یزید عطاء اللہ بندیالوی اور مفسر قرآن قاضی یونس صاحب پیش پیش ہیں۔
دیگر بکواسات کے علاوہ اس روایت پر مرکزی اشکالات دو کرتے ہیں ۔ترتیب وار اشکال اور جواب ملاحظہ کریں۔

اشکال نمبر1:

کم عمری میں نکاح کا ثبوت امام بخاری نے پیش کیا ہے جس سے کفار کو اسلام پر ہنسنے کا موقع ملا ہے؟

جواب:

نوسال میں نکاح والی روایت بخاری شریف کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔مثلاً
صحیح مسلم النکاح باب تزویج الاب البکر الصغیرۃ
سنن ابی داود انکاح باب فی تزویج الصغار
سنن النسائی انکاح باب النکاح الرجل ابنته الصغیرۃ
ایضاً باب المناء بابنة تسع
سنن الترمذی النکاح باب ماجاء فی اکراہ الیتیمة علی التزویج
سنن ابن ماجه النکاح باب نکاح الصغائر یزوجهن الآباء
لہذا صرف امام بخاریؒ مطعون کیوں ؟ پتہ چلتا ہے کہ منکرین حدیث کی طرح امام بخاریؒ کے ساتھ دشمنی ہے ۔ جب کہ دوسرے عقائد ونظریات میں یہی نام نہاد موحدین کہتے ہے کہ بخاری سے پیش کرو۔مثلاً روایت الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون کے متعلق کہتے ہے کہ اگر یہ بڑے درجے کی روایت ہوتی توامام بخاریؒ اپنی صحیح میں اس کو ذکر کرتے۔
باقی اس روایت سے یہ استدلال کرنا کہ نوسال کی بچی کے ساتھ نکاح درست نہیں یا اس پر مخالفین اسلام ہنستے ہیں تو

یہ بھی صرف ایک بڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ائمہ ثلاثہؒ یعنی امام ابوحنیفہؒ ، امام مالکؒ ، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

" جب لڑکی جماع کے قابل ہوجائے اس وقت اس کی رخصتی جائز ہے اور اس کے لئے سالوں کی کوئی تعیین نہیں کیونکہ یہ چیز عورتوں کے مزاج و احوال کے اختلاف کیوجہ سے مختلف ہوتی ہے۔ "
(نووی: باب تزویج البکر الصغیرۃ)

نورپور شرما اور دیگر مخالفین اسلام اس مسئلہ پر ہنسنے کی بجائے ذرا اپنے گھر کی خبر لے لیں۔

ہندو مذہب:

خود ہندو مذہب میں لڑکی کی بالغ ہونے سے پہلے بھی شادی کو پسند کیا گیا ہے منوسمرتی میں ہے کہ

"لڑکی کے بالغ ہونے سے بھی پہلے اس کی شادی کردی گئی" (گوتما۔۱۵۔۲۱)

ہندو مذہب کی مہابھارت میں شادی کی عمر دس سال اور سات سال ہے جبکہ شلوکاس میں شادی کی کم ازکم ۸ یا ۴ یا چھ سال مقرر کی گئی ہے۔

عیسائی مذہب:

ان کا عقیدہ یا موقف غلط ہے یا صحیح یہ الگ موضوع ہے لیکن سنیے تو سہی ۔ان کا مذہب حضرت مریم علیھا السلام کی بارہ سال کی عمر میں جو خاوند تجویز کر رہا ہے اس کی عمر ۹۹ برس ہے اس کا نام یوسف نجار بتلا دیا ہے۔۱۹۲۹میں برطانیہ کی چرچ آف انگلینڈ نے بھی بارہ برس کی لڑکی کو شادی کی اجازت دی تھی۔ امریکہ کی ریاست اسٹیٹ آف ڈیلویرا نے ۱۸۸۰ء تک لڑکی کی شادی کی کم ازکم عمر ۸ سال مقرر کی گئی تھی (بحوالہ خطبات عزیز۴ سیدہ عائشہؓ کی عمر کا مسئلہ)
تو پہلے اپنے مذہب پر روئے بعد میں اس روایت پر ہنسے۔

دوسرا اعتراض:

یہ روایت امام بخاریؒ نے ھشام بن عروہؒ کی طریق سے نقل کیاہے جو اختلاط کا شکار ہے لہٰذا اس کی روایت کا کوئی

اعتبار نہیں؟

جواب:

پہلے تو ہشام کا تعارف کرتے ہیں کہ یہ صاحب کون ہیں ؟
بحرالعلوم علامہ خالد محمود صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

" ہشام بن عروہؒ متوفی ۱۴۶ھ حضرت زبیرؓ کے پوتے تھے۔حافظ ذہبیؒ آپ کو **الامام،الحافظ،الحجۃ اورالفقیہ** کے القاب سے ذکر کرتے ہیں ۔ان دنوں حدیث اور فقہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے بہت سے حفاظ حدیث فقیہ بھی ہوتے تھے۔ہشام بن عروہ بھی انہی میں سے تھے ۔ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں

"**کان ھشام ثقۃ ثبتا کثیر الحدیث حجۃ**"
ابو حاتم الرازی آپ کو **امام فی الحدیث** لکھتے ہیں ۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔اور بچپن میں آپ کے لئے برکت کی دعا کی تھی۔شعبہ، ایوب، امام مالک، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن ابی سلیمان، یحیٰ بن ابی سعید القطان جیسے اکابر آپ کے شاگرد تھے ۔امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا آپ ہشام کو بہتر جانتے ہیں یا زہری کو؟آپ نے کہا دونوں کو اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی ۔آپ حضرت حسن بصریؒ اورامام ابن سیرین کے اقران میں سے تھے۔(آثار الحدیث ۲:۲۹۱)

یہ تو بحرالعلوم کی قلم سے اجمالی تعارف اور توثیق تھا، ہشام بن عروہؒ کے متعلق۔ اب آتے ہیں کہ ہشام بن عروہ پر اختلاط کا یہ الزام کس نے لگایا ہے اور آیا یہ جرح جمہور محدثین نے قبول کیا ہے یا نہیں اور جمہور محدثین ہشام کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔۔ہشام پر یہ الزام سب سے پہلے ابوالحسن بن القطان الفاسی (المتوفی ۶۲۸)نے لگایا ہے اور مختلطین کے ذکر میں اس کا ذکر کیا ہے

"**وھشام بن عروہ منھم**" (**بیان الوھم والایھام الواقعین فی کتاب الاحکام ۵:۵۰۴**)
ترجمہ : اور ہشام بن عروہ ان مختلطین میں سے ہے۔

لیکن نقاد حضرات نے الفاسی کی اس جرح کو کوئی وقعت نہیں دی ہے۔چنانچہ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ
"**ولا عبرۃ**" یہ قول غیر معتبر ہے۔نیز فرماتے ہیں کہ
"**ولم یختلط ابدا**" کہ اس کو کبھی بھی اختلاط نہیں ہوا۔(میزان الاعتدال ۴:۳۰۱)

اسی طرح سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں کہ

"وهشام فلم يختلط قط هذا امر مقطوع به"
کہ ہشام کو کبھی بھی اختلاط نہیں ہوا اور یہ بات یقینی ہے۔(سیر اعلام النبلاء ۶:۳۶)

آگے تو القاسی کے قول کو بالکل هباء منثورا کیا ہے لکھتے ہیں کہ

"فقول ابن القطان انه اختلط قول مردود مرذول" (سير اعلام النبلاء ۶:۳۶)
کہ ابن القطان کا قول کہ ہشام کو اختلاط ہوا ہے مردود اور مرذول ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہشام پر القاسی کی جرح کی پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں ۔

ہشام کی توثیق:

درجہ ذیل محدثین نے کیا ہے۔
امام ابو حاتم الرازی: ثقة امام في الحديث ۔(الجرح والتعديل ۹:۶۳)
احمد بن عبد الله صالح العجلی: وكان ثقة ۔(تاريخ بغداد ۴:۴۱)
محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ: وكان ثقة كثير الحديث حجة (الطبقات الكبرى ۷:۳۲۱)
يعقوب بن شيبه متوفی ۲۶۲ھ: وهشام بن عروة ثبت حجة (تاريخ بغداد ۴:۴۰)
دار قطنی: وهشام وان كان ثقة فان الذهري احفظه منه والله اعلم ۔(سنن دار قطنی ۴:۲۴۰)
محمد بن حبان البتی: وكان حافظا متقنا ورعا ۔(الثقات ۵:۵۰۲)
تقریباً چھ محدثین نے ہشام کی توثیق کی ہے اور القاسی نے اکیلا اختلاط کا الزام لگایا ہے۔جس کو امام ذہبی نے **ولا عبرة** کہہ کر اڑا دیا ہے۔تو القاسی کے اس قول کو کون سنتا ہے۔
نوٹ : علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال کے اندر تعدیل کے مراتب ذکر کیے ہیں کہ جس طرح جرح کے مختلف درجات ہے اسی طرح تعدیل بھی ایک درجہ کی نہیں اس کے بھی مختلف درجات ہے۔ تعدیل کے چار مراتب اور جرح کے پانچ مرتبے ذکر کیے ہیں ۔ تعدیل کے پہلے مرتبہ میں درجہ ذیل کلمات لائے ہیں۔
ثبت حجة، ثبت حافظ، ثقة متقن، ثقة ثقة ۔(ميزان ۱:۲۸)
تو ہشام کی توثیق پر نظر ڈالیں۔اکثر محدثین نے ثقة اور ثبت اور حجة کے الفاظ لائے ہیں۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہشام عند الذهبی درجہ اولی کے عدالت سے مشرف ہے۔

فلہذا اس روایت پر مماتیوں کے دو اشکال اوران کے جوابات باتفصیل سامنے آئے مماتیوں کے ہاں صرف بکواسات کے علاوہ کچھ نہ رہا۔ ہمارے اسلاف دیوبند میں سے درجہ ذیل حضرات نے بھی اس روایت کو ذکر کرکے ترجیح دی ہیں۔
علامہ ادریس کاندہلویؒ سیرۃ مصطفی جلد سوم
خیر محمد جالندھریؒ خیرالفتاوی جلد اول،
مولانا اسماعیل ریحان صاحب تاریخ امت مسلمہ جلد اول
دفع اعتراضات الخبث،
چتروڑی کے الزامات کے مسکت جوابات
رواۃ بخاری اورامام بخاریؒ کاعادلانہ
دفاع تاریخ اسلام۔

ایک ضروری گزارش

ہمارے مجلہ راہِ ہدایت میں شائع ہونے والے کسی بھی مضمون کا اگر کسی نے کوئی جواب لکھا ہو یا لکھنا چاہتا ہے تو طاہر گل دیوبندی کے واٹس ایپ نمبر پر بھیج سکتے ہیں۔

مولانا عبد الجبار سلفی صاحب

نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ

"نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ" پہلے پہل جنرل ضیاء الحق شہید کے دور حکومت کے اوائل میں شائع ہوئی تھی اور ملک بھر میں تقسیم ہوئی۔اس تصنیف کاپس منظر اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے ۔

1983ء میں پاکستان بھر کے اہل تشیع نے "**فقہ جعفری نافذ کرو**" کے نام سے ایک ملک گیر تحریک چلائی تھی۔اور اپنے مطالبات تسلیم کروانے کے لئے اسلام آباد میں فسادی دھرنا دیا تھا۔دوسری جانب اہل سنت علامہ عبدالستار تونسوی علیہ الرحمہ کی قیادت میں متحد ہوئے،راولپنڈی میں جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ،لاھور میں جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ، اور مسجد نیلا گنبد، نیزکراچی میں جامعتہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن مراکز قرار پائے۔اور حضرت تونسوی علیہ الرحمہ نے اپنے طوفانی دوروں سےاس ملک گیرتحریک میں وہ روح پھونکی کہ انفاس عیسیٰ کی مہک آنے لگی تھی۔اس جوابی تحریک کوکمزور کرنے میں کس کاکیا کردار تھا؟ذاتی مفادات اورلیڈری کے چسکوں نے کس طرح اس ملی تحریک کونقصان پہنچایا اور خفیہ طاقتوں نے کن مقدس چہروں کواس کار "خیر" کے لئے استعمال کیا؟ یہ المناک اور خوفناک بلکہ ہولناک داستان ہے۔جس کے بعض احوال کوبندہ نے "مظہر کرم"تصنیف میں محتاط انداز میں قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔اور بہت کچھ سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہے،اورخدا کرے کہ اسی حفاظت کیساتھ ہم فانی زندگی کے بقیہ یوم گزار سکیں آمین۔

ہاں تو دوستو!

"نفاذشریعت اورفقہ جعفریہ" کے نام سے یہ کتابچہ اسی رافضی تحریک کی دسیسہ کاریوں سے ارباب اقتدار اور اہل علم ودانش کوآگاہ کرنے کی غرض سےشائع کیا گیاتھا۔جوچوہدری امان اللہ لک ایڈووکیٹ آف گجرات کے نام سے چھپاتھا۔مگر بہت کم لوگوں کے علم میں ہوگا کہ فی الاصل اس کے مصنف مناظر اعظم حضرت علامہ مولانا اللہ یار خان آف چکڑالہ ضلع میانوالی تھے۔اورچوہدری امان اللہ لک انکے مرید خاص تھے۔قانونی پیچیدگیوں سےبچنے اور عوام و خواص کے عمومی فوائد کی مصلحت و حکمت کے پیش نظراسےچوہدری صاحب کے نام سے شائع کیا گیا تھا، مگر ایک کام ایک خاص وقت اور حالات کی بناپر اگر حسب مصلحت کیا جاتا ہے تو اس کام کی اصل نوعیت سے آمدہ وقتوں میں قوم کو آگاہ کرنا بھی عین حکمت اور تاریخی ریکارڈ کی درستی کے لئے ضروری ہوتاہے۔یہ امان اللہ لک مرحوم ایک ٹھاکر قسم کے چوہدری تھےجو مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمہ کے متوسلین میں شامل ہوکر اس قدر محبوب و مقبول ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوٹ کچہریوں کے کٹہروں میں ان سے مذہب اہل سنت کے دفاع کا کام لیا اور حضرت مولانا اللہ یار خان مرحوم کی پشت پناہی اور تربیت سے بلاشبہ اس شخص نے وہ تاریخی خدمت سر انجام دی کہ جسے بھلا دینا ممکن نہیں ہے۔کہتےہیں کہ ایک مرتبہ مولانا اللہ یار خان مرحوم چوہدری امان اللہ کے ڈیرہ واقع گجرات میں مقیم تھے تو ایک بڑھیا آئی اور مولانا اللہ یار خان مرحوم کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔جب اس سے پوچھا گیا کہ اس پیرانہ سالی اور

ضعف میں آپ حضرت مولانا صاحب کو ملنے کیوں تکلیف اٹھاکر آئی ہیں؟تو اس نے کہا،میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں "جس نے لک جیسے بندے کا"لک"سیدھا کردیا ہے" اللہ اکبر۔ہمارے اکابر بھی کیا لوگ تھے جو دین متین کی خدمت واشاعت کے لئے ہر میدان اور شعبے سے وابستہ لوگوں سے کام لینے کا گر جانتے تھے۔یہ کتابچہ اردو،انگریزی اور عربی تینوں زبانوں میں بدمبالغہ لاکھوں کی تعداد میں چھپا تھا اور دنیا بھر میں تقسیم ہوا۔آج یہ عظیم امرتبت کتابچہ pdf کی صورت میں سامنے آیاتوان یادگار لمحات اور تاریخی حالات نے بندہ کی طبیعت میں ایک مسرت بھری ہلچل پیدا کردی۔اورزیر نظر سطوراسی تاثر کا نتیجہ فکر ہیں۔ہائے کہاں گیا وہ زمانہ کہ جب مذہب اہل سنت کی بقاء و دفاع کے جذبات رکھنے والوں میں قائداہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ، علامہ مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمہ اللہ ،امام پاکستان مولانا احمد شاہ چوکیروی ، محقق اہل سنت مولانا محمد نافع،سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر،شہیداسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا مہر محمد میانوالوی، شہید خنجر ناز مولانا حق نواز جھنگوی شہید،اورسنی غیرت سے مالامال چوہدری امان اللہ لک ایڈووکیٹ رحمہم اللہ جیسے لوگ میدان عمل میں موجودہواکرتے تھے۔اوراہل سنت کی نظریاتی سرحدوں کے یہ سچے اور کھرے پہریدار ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے فرائض سے غفلت برتنے کے روادار نہ تھے۔اوراب۔۔۔۔؟

ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر۔۔۔۔

یاالٰہ العالمین ان سب کی،اوران جیسے لاتعداد دوسروں کی کامل مغفرت فرما،صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی زیارتوں سے انہیں مشرف فرما،انکی قبور کو رشک جنت بنا،انکوکروٹ کروٹ راحت و سکون نصیب فرما،اورروزمحشرحوض کوثر کے کناروں سے انہیں آب کوثر پلا کر"سلام علیکم"کی ٹھنڈی ہواؤں میں" فادخلوھا خلدین "کی سعادتوں سے بہرہ ورفرما۔جہاں امان اللہ لک جیسے لوگ اپنی بغلوں سے"نفاذ شریعت"کا کتابچہ نکال کر بارگاہ شیخین کریمین میں پیش کرتے ہوئے کہیں "الحمدللہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوء من الجنتہ حیث نشاء، فنعم اجر العالمین ۔

مولانا محمد محسن طارق الماتریدی صاحب قسط:۲ (آخری)

کیا معجزہ اور کرامت نبی اور ولی کے اختیار میں ہوتا ہے؟

اشکال:

1: ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج 5 ص 413 پر قصہ حضرت جریج رحمہ اللہ تعالی کے تحت لکھا ہے
وفی ھذا اثبات کرامات الاولیاء ووقوع ذالک لھم باختیارھم وطلبھم

2: دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج 3 ص 88 پر قصہ حضرت جریج رحمہ اللہ تعالی کے تحت لکھا ہے
وفیہ اثبات کرامات الاولیاء ووقوع الکرامۃ لھم باختیارھم وطلبھم

3: عمدۃ القاری کتاب احادیث الانبیاء تحت ج 11 ص 191 پر قصہ حضرت جریج رحمہ اللہ تعالی کے تحت لکھا ہے
وفیہ اثبات الکرامۃ للاولیاء ووقوع الکرامۃ لھم باختیارھم وطلبھم

4: فتح الباری کتاب احادیث الانبیاء ج 6 ص 589 پر قصہ حضرت جریج رحمہ اللہ تعالی کے تحت لکھا ہے
وفیہ اثبات کرامات الاولیاء ووقوع الکرامۃ لھم باختیارھم وطلبھم

5: تشنیف المسامع بجمع الجوامع لتاج الدین السبکی درح الکتاب السابع فی الاجتھاد ج 4 ص 499 پر و کرامات الاولیاء حق کے تحت لکھا ہے
تقع الکرامۃ باختیار الولی وطلبہ علی الصحیح عند المتکلمین وقیل لا تقع باختیارھم وطلبھم

6: حاشیۃ العلامۃ البنانی علی شرح الامام المحلی علی جمع الجوامع الکتاب السابع فی الاجتھاد ج 2 ص 247 پر و کرامات الاولیاء حق کے تحت لکھا ہے
قولہ جائزۃ واقعۃ ای ولو باختیارھم وطلبھم

7: حاشیۃ العطار علی شرح الامام المحلی علی جمع الجوامع الکتاب السابع فی الاجتھاد ج 2 ص 481 پر و کرامات الاولیاء حق کے تحت لکھا ہے
قولہ جائزۃ و واقعۃ ولو باختیارھم وطلبھم قال النووی الصحیح ان الکرامات تقع للاولیاء باختیارھم وطلبھم

8: حاشیۃ زکریا الانصاری علی شرح الامام المحلی علی جمع الجوامع الکتاب السابع فی الاجتھاد ج 4 ص 238 پر و کرامات الاولیاء حق کے تحت لکھا ہے
قولہ جائزۃ و واقعۃ ولو باختیارھم وطلبھم قال النووی الصحیح ان الکرامات تقع للاولیاء باختیارھم وطلبھم

9: لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح ج 9 ص 514 باب الکرامات کے تحت لکھا ہے

والحق جواز وقوعها قصدا واختیار

10: کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد ص 316 پر فصل فی اثبات الکرامۃ و تمییزها من المعجزات کے تحت لکھا ہے

ثم مجوزو الکرامات تحزبوا احزابا فمن صائر الی شرط الکرامۃ الخارق للعادۃ ان تجری من غیر ایثار واختیار من الولی و صار هؤلاء الی ان الکرامۃ تفارق المعجزۃ من هذا الوجه وهذا غیر صحیح الخ

ان تمام حوالہ جات کے اندر تقریباً اکثر مقامات پر کرامات اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ و کثر اللہ تعالیٰ سوادھم سے متعلق باختیارهم وطلبهم کے الفاظ صراحتاً آئے ہیں اسی طرح شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں بھی قصدا و اختیار کے الفاظ صراحتاً موجود ہیں جبکہ امام الحرمین امام جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کرامت ولی کے اختیار سے جاری نہیں ہوسکتی اور یہ کہہ کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ معجزہ اور کرامت میں فرق ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔
اسی طرح بعض دیگر مقامات پر کچھ اور تعبیر کے ساتھ مگر مفہوم ان کا بھی یہی نکلتا ہے کرامت ولی کے اختیار اور طلب سے واقع ہوتی ہے۔
بہر کیف خلاصہ تمام حوالہ جات کا یہ نکلتا ہے کہ کرامات اولیاء کے اختیار ور طلب سے واقع ہوتے ہیں۔

جواب:

حوالہ نمبر: 9 حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے جس پر پہلی قسط میں مفصل بحث گذر چکی ہے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اختیار سے کیا مراد ہے جبکہ ابتدائی 8 حوالہ جات کے اندر باختیارهم وطلبهم کے الفاظ ہیں۔ جن کے متعلق اولاً بطور تنقیح کے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر اختیار سے مراد یہاں پر اختیار علی قدرۃ المعجزۃ او الکرامۃ یا اختیار علی قدرۃ خرق العادۃ یا اختیار علی ایجاد المعجزۃ او الکرامۃ یا اختیار علی ایجاد خرق العادۃ مراد ہے تو وطلبهم کا کیا مطلب ہے آپ کے ہاں؟ کیونکہ جب اختیار سے مراد یہاں پر اختیار علی قدرۃ المعجزۃ او الکرامۃ یا اختیار علی قدرۃ خرق العادۃ یا اختیار علی ایجاد المعجزۃ او الکرامۃ یا اختیار علی ایجاد خرق العادۃ مراد ہے آپ کے ہاں تو طلب کرنا چہ معنی دارد؟ "طلب" تو اس شئی کو کیا جاتا ہے جو اختیار بمعنی ہالا نہ ہو جب اختیار بمعنی بالا ہو تو "طلب" کی قید کا کیا فائدہ؟
اس تنقیح کا جواب تا قیامت بریلوی اور سیفی حضرات کے سر پر قرض رہے گا کیونکہ اختیار سے یہ حضرات جو مراد لیتے ہیں اس مراد کا "طلب" کے ساتھ ایسا تعارض ہے جس کا جواب صرف ایک ہی صورت میں ہوسکتا ہے اور وہ ہے کہ اختیار کو جس مراد میں یہ حضرات لیتے ہیں اس مراد کو لینا چھوڑ دیا جائے۔
اب آتے ہیں اصولی جواب کی طرف جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان سارے حوالہ جات کی قلعی کھل جائے گی۔
قارئین کرام اختیار کا لفظ کلام عرب میں 7 معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
1: الاختیار بمعنی الانتقاء والاصطفاء

2:الاختیار بمعنی الرضاء وطیب النفس

3:الاختیار بمعنی القصد وارادۃ الفعل

4:الاختیار بمعنی القدرۃ والسلطنۃ

5:الاختیار بمعنی الولایۃ علی التصرف

6:الاختیار بمعنی الجواز التکلیفی

7:الاختیار بمعنی القدرۃ

طوالت سے بچنے کے لئے کہ ہر یک معنی کو ہم قرآن و سنت و کلام عرب سے ثابت کریں سر دست اختیار کے اصلی معنی پر ہم کچھ گفتگو کرنا چاہیں گے کہ اختیار کا لفظ لغتاً و اصلاً انتقاءو اصطفاء کے لئے آتا ہے جس کا معنی ہے پسند کرنا منتخب کرنا چن لینا۔

مصباح اللغات مادۃ خیر ص 220

القاموس الوحید مادۃ خیر ص 489/490

المنجد مادۃ خیر ص 224

قرآن میں باری تعلی تعالی کا فرمان ہے

وانا اخترتك فاستمع لما یوحی (پارہ 16 سورۃ طٰہٰ آیت 13)
ترجمہ از معارف القرآن:
"اور میں نے تجھ کو پسند کیا ہے سو تو سنتا رہ جو حکم ہو"۔
مطلب تجھے پسند کیا چن یا منتخب کر لیا الخ

اسی طرح فرمان باری تعالی ہے

وربك یخلق ما یشاء و یختار (پارہ 20 سورۃ القصص آیت 68)
ترجمہ از معارف القرآن:
"اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جس کو چاہے۔"
مطلب پسند کرے چن لے منتخب کرے الخ

صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے

عن ابن ابی ملیکۃ قال کتبت الی ابن عباس اسالہ ان یکتب لی کتابا و یخفی عنی فقال ولد ناصح انا اختار لہ الامور اختیارا و اخفی عنہ قال فدعا بقضاء علی فجعل یکتب منہ اشیاء و یمر بہ الشی فیقول واللہ ما قضی بھذا علی الا ان یکون ضل

(صحیح مسلم المقدمۃ باب النھی عن لروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملھا ج1ص10)

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما کو لکھا کہ میرے لئے ایک کتاب لکھ دو اور چھپا لو (ان باتوں کو جن میں کلام ہے تاکہ جھگڑا نہ ہو) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا لڑکا (اچھی) نصیحت کرتا ہے (یعنی بن ابی ملیکہ کو کہا) میں اس کے لئے پسند کروں گا منتخب کروں گا چنوں گا باتوں کو اور چھپا لوں گا جو چھپانے کی باتیں ہیں پھر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے فیصلوں کو منگوایا ان میں سے کچھ باتیں لکھنے لگے اور بعض فیصلوں کو دیکھ کر کہتے تھے کہ قسم اللہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا فیصلہ نہیں کیا اگر کیا ہو تو وہ بھٹک گئے (یعنی ان سے غلطی ہوئی)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

قال الشافعی والوقت الاول من الصلاۃ افضل ومما یدل علی فضل اول الوقت علی آخرہ اختیار النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلم یکونوا یختارون الاما ھو افضل

(سنن الترمذی ابواب الصلاۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب الوقت الاول من الفضل ج1ص 215رقم175)

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ نماز کا اول وقت افضل ہے اور جو چیزیں اول وقت کی افضیلت پر دلالت کرتی ہیں من جملہ انہیں میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا اسے پسند فرمانا ہے منتخب کرنا ہے چننا ہے کہ یہ لوگ اسی چیز کے معمول بنانے کو پسند فرماتے تھے منتخب کرتے تھے چنتے تھے جو افضل ہو۔

اسکے علاوہ بھی قرآن وسنت و فقہاء کرام رحمھم اللہ تعالی و اکثر اللہ تعالی سواد ھم کی عبارات و کلام عرب سے ڈھیر ساری مثالیں اس پر مل سکتی ہیں جس میں "اختیار" کا لفظ پسند کرنا منتخب کرنا چن لینا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لھذا ان تمام حوالہ جات میں "اختیار" کا لفظ پسند کرنا منتخب کرنا چن لینا کے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ "اختیار بمعنی علی قدرۃ المعجزۃ او الکرامۃ یا اختیار علی قدرۃ خرق العادۃ یا اختیار علی ایجاد المعجزۃ او لکرامۃ یا اختیار علی ایجاد خرق العادۃ"

ہاں البتہ یہ ہے کہ آپ یہ سوال اٹھاسکتے ہیں کہ جیسا کہ ان تمام حوالہ جات سے مقصود بھی اس سوال و دفع دخل مقدر کا جواب ہے کہ

سوال:

کیا اگر کوئی ولی بسا اوقات کرامت کے صدور اور عدم صدور سے متعلق صدور کو یا کسی خاص کرامت کے صدور کو باری تعالی

سے اپنے سے صادر ہونے کو پسند کرتا ہے منتخب کرتا ہے چنتا ہے کہ مجھ سے کوئی بھی کرامت یا کوئی خاص کرامت باری تعالی صادر کروا دے اور اسے اللہ تعالیٰ سے طلب بھی کرتا ہے گویا اس کا قصد کرتا ہے چاہے وہ دعاء کے ذریعہ ہو یا دل کے توجہ کے ذریعہ یا کسی اور عمل کے ذریعہ باری تعالی پر کامل یقین اور باری تعالیٰ سے غایت درجہ تعلق و باری تعالی پر غایت درجہ توکل کی وجہ سے بسا اوقات دعویٰ بھی ساتھ کرلیتا ہے یہاں تک کہ بایں وجہ بسا اوقات قسم بھی کھالیتا ہے تو کیا ویسے ہوسکتا ہے؟

جواب:

جمہور اہلسنت والجماعت کے ہاں جب کوئی ولی کرامت کے صدور اور عدم صدور سے متعلق صدور کو یا کسی خاص کرامت کے صدور کو باری تعالی سے اپنے سے صادر ہونے کو پسند کرتا ہے منتخب کرتا ہے چن لیتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ سے طلب بھی کرتا ہے گویا اس کا قصد کرتا ہے جیساکہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی صاحب نے لمعات التنقیح میں قصد کا بھی ذکر فرمایا ہے بہرکیف چاہے وہ دعاء کے ذریعہ ہو یا دل کے توجہ کے ذریعہ یا کسی اور عمل کے ذریعہ باری پر کامل یقین اور باری تعالیٰ سے غایت درجہ تعلق و باری تعالیٰ پر غایت درجہ توکل کی وجہ سے دعوی بھی ساتھ کرلیتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات بایں وجہ قسم بھی کھالیتا ہے تو ویسے بالکل بسا اوقات باری تعالیٰ کر بھی دیتے ہیں اکرماً لہ اپنی قدرت کاملہ کے طفیل۔

دلیل نمبر 1:

قرآن مجید میں آصف بن برخیا رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ کہ انہوں نے اپنے سے اس خاص کرامت کے صدور یعنی تخت بلقیس کے لانے کو پسند کیا منتخب کیا چن لیا اور باری تعالیٰ سے اسے طلب کیا گویا اس کی طرف قصد کیا جیساکہ اکثر مفسرین کرام رحمھم اللہ تعالی وکثر اللہ تعالی سوادھم کے حوالوں سے قسط نمبر:1 میں گذرا کہ آصف بن برخیا رحمہ اللہ تعالیٰ نے باری تعالیٰ سے دعاء کی اور باری تعالیٰ نے اسے وجود عطا فرمادیا

تفسیر ابن کثیر پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

تفسیر طبری پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

تفسیر بغوی پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

التفسیر المیسر پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

تفسیر السعدی پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

الوسیط لطنطاوی پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

بیان القرآن پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

معارف القرآن پارہ 19 سورۃ النمل آیت 40

دلیل نمبر 2:

اسی طرح حضرت جریج رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے جو کہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ

کان رجل فی بنی اسرائیل یقال لہ جریج یصلی فجاءتہ امہ فدعتہ فابی ان یجیبھا فقال اجیبھا او اصلی، ثم اتتہ فقالت اللھم لا تمتہ حتی تریہ المومسات وکان جریج فی صومعتہ فقالت امراۃ لافتنن جریجا فتعرضت لہ فکلمتہ فابی فاتت راعیا فأمکنتہ من نفسھا فولدت غلاما فقالت ھو من جریج فاتوہ وکسروا صومعتہ فانزلوہ وسبوہ فتوضا وصلی ثم اتی الغلام فقال من ابوک یاغلام، قال الراعی قالوا نبنی صومعتک من ذھب، قال لا الا من طین

(صحیح بخاری کتاب المظالم باب اذا ھدم حائطا فلیبن مثلہ ج3 صفحۃ 137 رقم 2482، صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء صلوات اللہ علیھم باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم ج4 ص165 3436، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والاداب باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاۃ وغیرھا ج8 ص4 رقم 2550)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک صاحب تھے جن کا نام جریج تھا وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی والدہ آئیں اور انہیں پکارا انہوں نے جواب نہیں دیا سوچتے رہے کہ جواب دوں یا نماز پڑھوں؟ پھر وہ دوبارہ آئیں اور (غصے میں) بد دعا کر گئیں کہ اے اللہ اسے موت نہ آئے جب تک کسی بدکار عورت کا منہ نہ دیکھ لے جریج اپنے عبادت خانہ میں رہتے تھے ایک عورت نے (جو جریج کے عبادت خانہ کے پاس اپنی مویشی چرایا کرتی تھی اور فاحشہ تھی) کہا کہ جریج کو فتنہ میں ڈالے بغیر نہ رہوں گی چنانچہ وہ ان کے سامنے آئی اور گفتگو کرنی چاہی لیکن انہوں نے منہ پھیر یا پھر وہ ایک چرواہے کے پاس گئی اور اپنے جسم کو اس کے قابو میں دے دیا آخر لڑکا پیدا ہوا اور اس عورت نے الزام لگایا کہ یہ جریج کا لڑکا ہے قوم کے لوگ جریج کے یہاں آئے اور ان کا عبادت خانہ توڑ دیا انہیں باہر نکال اور گالیاں دیں لیکن جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھ کر اس لڑکے کے پاس آئے انہوں نے اس سے پوچھا بچے تمہارا باپ کون ہے؟ بچہ (خدا کے حکم سے) بول پڑا کہ چرواہا (قوم خوش ہو گئی اور) کہا کہ ہم آپ کے لئے سونے کا عبادت خانہ بنوا دیں؟ جریج نے کہا کہ نہیں مٹی کا ہی صحیح ہے۔

ملاحظہ کیجئے کہ جب حضرت جریج رحمہ اللہ تعالی پر تہمت لگی تو انہوں نے اسے پسند کیا منتخب کیا چنا کہ مجھ پر سے باری تعالی یہ کرامت صادر فرمادے کہ میں اس بچہ سے جو ابھی بولنے کے قابل نہیں ہوا ہے پوچھوں اور وہ سچ بتادے چنانچہ انہوں نے وضوء کیا اور نماز پڑھی جیسا کہ حدیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے اور اس نماز کے عمل کے ذریعے گویا باری تعالی سے مدد طلب کی اور اس کے بعد بچہ کے پاس آئے اور اس سے پوچھا تو اللہ تعالی نے ان کے ہاتھوں اس کرامت کا صدور فرما دیا ور اوپر کے پیش کردہ شروع کے 4 حوالہ جات میں قصہ حضرت جریج رحمہ اللہ تعالی کے تحت ہی محدثین کرام رحمھم اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے کہ وفی ھذا یاوفیہ اثبات کرامات الاولیاء یا اثبات الکرامۃ للاولیاء ووقوع ذالک لھم یا ووقوع الکرامۃ لھم باختیارھم وطلبھم معلوم ہوا کہ یہاں بھی اور بقیہ حوالہ جات میں بھی اختیار بمعنی پسند کرنا منتخب کرلینا چن لینا ہے نہ کہ اختیار بمعنی علی قدرۃ المعجزۃ والکرامۃ یا اختیار علی قدرۃ خرق العادۃ یا اختیار علی ایجاد المعجزۃ اور الکرامۃ یا اختیار علی ایجاد خرق العادۃ، سو اسے خوب سمجھ لیجئے۔انتہائی حیرانگی ہوتی ہے کہ علم کے لیے چوڑے دعوے کرنے والی شخصیات اسے اس ممنوع معنی میں استعمال کرتے ہیں۔فیا للعجب ولضیعۃ العلم والادب

نتیجہ:

پیش کردہ بتدائی 8 حوالہ جات میں بھی اختیار بمعنی پسند کرنا منتخب کرنا اور چن لینا ہے اسی طرح لمعات التنقیح کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے کہ اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالی و کثر اللہ تعالی سوادھم بسا اوقات کرامات کے صدور کا باری تعالی سے خود پر سے صادر ہونے کا قصد کرتے ہیں چاہے وہ دعاء کے ذریعہ ہو یا دل کے توجہ کے ذریعہ یا کسی اور عمل کے ذریعہ اور کرامت کے صدور اور عدم صدور سے متعلق صدور کو یا کسی خاص کرامت کے صدور کو باری تعالی سے اپنے سے صادر ہونے کو پسند کرتے ہیں منتخب کرتے ہیں چن لیتے ہیں اور اسے باری تعالی سے طلب کرتے ہیں باری تعالی پر کامل یقین اور باری تعالی سے غایت درجہ تعلق و باری تعالی پر غایت درجہ توکل کی وجہ سے بسا اوقات دعویٰ بھی ساتھ کرلیتے ہے یہاں تک کہ بایں وجہ بسا اوقات قسم بھی کھا لیتے ہیں تو باری تعالی بالکل بسا اوقات ایسا کر بھی لیتے ہیں اکراماً لہ اور اسے وجود عطا فرما

دیتے ہیں اپنی قدرت کاملہ کے طفیل جبکہ کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے گویا وہ بھی اس سوال و دفع دخل مقدر کا جواب دے رہے ہیں کہ کوئی شخص اگر یہ کہتا ہے کہ کرامت کے صدور اور عدم صدور سے متعلق صدور کو یا کسی خاص کرامت کے صدور کو باری تعالی سے اپنے سے صادر ہونے کو کوئی ولی اگر پسند کرتا ہے منتخب کرتا ہے چن لیتا ہے تو ایسا نہیں ہوسکتا اور یہ کہہ کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ معجزہ اور کرامت میں فرق ہے تو یہ صحیح نہیں ہے بلکہ بسا اوقات کرامت کے صدور اور عدم صدور سے متعلق صدور کو یا کسی خاص کرامت کے صدور کو باری تعالی سے اپنے سے صادر ہونے کو کوئی ولی اگر پسند کرتا ہے منتخب کرتا ہے چن لیتا ہے اور اسے باری تعالی سے طلب کرتا ہے باری تعالی پر کامل یقین اور باری تعالی سے غایت درجہ تعلق و باری تعالی پر غایت درجہ توکل کی وجہ سے بسا اوقات دعویٰ بھی ساتھ کرلیتا ہے یہاں تک کہ بایں وجہ بسا اوقات قسم بھی کھا لیتا ہے تو بالکل باری تعالی بسا اوقات ایسا کر بھی دیتے ہیں اکراماً لہ اور اسے وجود عطاء فرمادیتے ہیں اپنی قدرت کاملہ کے طفیل۔

اور ہمارے اس دعوی پر جہاں بطور مشتے از نمونہ خروارے ماقبل میں دو دلائل ہم نے ذکر کئے تیسری دلیل جس میں مزید بسا اوقات دعوٰی ولی پر من جانب اللہ تعالی ویسا ہوجانے کی دلیل بھی ہے جیساکہ صحیح مسلم کی حدیث ہے

دلیل نمبر 3:

رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ

(مسلم کتاب البر والصلۃ والاداب باب فضل الضعفاء والخاملین ج8ص36رقم2622)

ترجمہ: بہت سارے پراگندہ بالوں والے دروازوں سے دھتکارے ہوئے جب اللہ تعالی پر قسم کھا لیتے ہیں تو اللہ تعالی اسے پورا فرمادیتے ہیں۔

لو اقسم علی اللہ لابرہ کی تشریح و توضیح میں امام و حافظ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

ای حلف علی وقوع شیئ اوقعہ اللہ اکراما لہ باجابۃ سوالہ وصیانتہ من الحنث فی یمینہ وھذا لعظم منزلتہ

عند الله تعالى وان كان حقيرا عند الناس وقيل معنى القسم هنا الدعاء و ابراره اجابته والله اعلم
(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للنووي ج16. كتاب البر والصلة والآداب باب فضل الضعفاء و الخاملين ص266 رقم 138 2622)

ترجمہ: جس کا مفہوم ہے کہ اللہ کا وہ ولی کسی شی کے وقوع پر جب قسم کھا لیتا ہے تو اللہ تعالی اسے واقع فرمادیتے ہیں اس ولی کے سوال کو قبول کرتے ہوئے اس ولی کا اکرام و اعزاز فرماتے ہوئے اور تاکہ وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہو اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ تاکہ لوگوں پر اس کا عظیم مرتبہ جو اللہ تعالی کے ہاں اس کا ہے واضح ہو جائے اگرچہ لوگوں کے ہاں وہ حقیر سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد قسم سے یہاں دعاء ہے اور اس کی راست بازی کا مظہر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اس کی دعاء کو قبول فرمادیتے ہیں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالی اس کی تشریح و توضیح میں فرماتے ہیں

يعني انه لو حلف على وقوع شئ اوقعه الله اكراما له و صيانته له عن الحنث في يمينه و حمله بعضهم على الدعاء انه لو دعا الله سبحانه استجاب الله دعائه والمعنى الاول اوفق بالظاهر الخ
(تكملة فتح الملهم كتاب البر والصلة والآداب باب فضل الضعفاء و الخاملين ج5 ص341 رقم 138. 2622)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالی کا وہ ولی جب کسی شی کے وقوع پر قسم کھا لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کا اعزاز و اکرام کرتے ہوئے سے واقع فرمادیتے ہیں اور بعض نے اس قسم کو دعاء پر محمول کیا ہے کہ جب اللہ تعالی کا وہ ولی اللہ تعالی سے دعاء کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے دعاء کو قبول فرمادیتا ہے اور پہلا ولا معنی ظاہر کے زیادہ موافق ہے الخ۔

قارئین کرام!
ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ اپنے مدعا کا ثبوت بھی دیا اور فریق مخالف نے جن عبارات سے اپنا مؤقف ثابت کرنے کی کوشش کی تھی ان کا صحیح مطلب بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کر سر عام رکھ دیا

مفتی رب نواز صاحب مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

دفاع علمائے دیوبند مولانا یحییٰ شرق پوری کی زبانی

کچھ دن پہلے مولانا عبد الرحمن صاحب حفظہ اللہ (پشاور) نے ایک کتاب وٹس ایپ پہ بھیجی۔ جس کے سر ورق پر لکھا ہوا ہے :

''حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور دیگر اکابر پر بہتانات اور اُن کا تحقیقی جائزہ ، مرتبہ مولانا محمد یحیٰ شرق پوری، شائع کردہ جمعیت اہلِ حدیث شرق پور"

آج اس کتاب کو پڑھنے کا موقع ملا۔ کتاب کا حاصل یہ ہے کہ اس کتاب میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور اکابر علمائے دیوبند پر بریلوی فرقہ کے اعتراضات کا جواب ہے۔ کتاب میں سے وہ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے جہاں جہاں علمائے دیوبند کا دفاع کیا گیا ہے۔

یہ دفاعی تحریر بریلوی فرقہ کا جواب تو ہے ہی،اُن غیر مقلدین کا بھی منہ بند کرنے کے لیے کافی ہے جو بریلویوں کے انہی اعتراضات کو علمائے دیوبند کے خلاف اچھالتے ہیں۔

تنبیہ: مولانا یحیٰ شرق پوری صاحب کی مذکورہ کتاب کا نام طویل ہے،اس لیے ہم حوالہ دیتے ہوئے اختصاراً "تحقیقی جائزہ" لکھیں گے۔

ابتدائیہ کا ایک اقتباس

مولانا یحیٰ شرق پوری صاحب نے ابتدائیہ میں تفصیل سے یہ بات سمجھائی کہ ہر دور میں اہلِ باطل حق والوں پر اعتراضات کرتے آئے ہیں اگر دورِ حاضر کے بریلویوں نے اہل حق علمائے دیوبند پر الزامات لگائے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔شرق پوری صاحب نے ابتدائیہ کے آخر میں لکھا:

> "آج ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائی مسلمانوں کو عیسیٰ علیہ اسلام کا منکر اور دشمن قرار دیتے ہیں اور رافضی اہلِ سنت کو اہلِ بیت کا منکر بلکہ دشمن کہا کرتے ہیں ۔الغرض آج کے بزعم خویش خوش عقیدہ (بریلوی) لوگوں کی یہ روش کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ
>
> ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں
>
> اب ہم وہ ناپاک بہتان اور اصل حقیقت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ سچ جھوٹ نکھر کر سامنے آجائے چنانچہ ترتیب وار ملاحظہ ہوں۔"(تحقیقی جائزہ صفحہ ۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر اعتراض کا جواب

شرق پوری صاحب نے بریلوی اعتراض کو ''بہتان" اور پھر اپنی طرف سے دیئے گئے جواب کو "اصل حقیقت" کا

عنوان دیا ہے۔ پڑھیے :

"**پہلا بہتان :** غیب کی باتوں کا علم جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویسا علم زید،عمر ، بچوں اور پاگلوں کو بلکہ تمام جانوروں کو بھی ہے"

شرق پوری صاحب لکھتے ہیں:

"**اصل حقیقت:** یہ الزام مولانا اشرف علی تھانوی پر لگایا گیا ہے اور ان کی حفظ الایمان کتاب کی عبارت کو سیاق و سباق سے ہٹا کر اس بہتان کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ امت کے سلف خلف اس بات پر متفق ہیں کہ صرف رب کائنات کی ہی ذات عالی جس کو آسمانوں اور زمین کی پوری مخلوقات کے ذرہ ذرہ کا کلی علم ذاتی حیثیت اور محیط کیفیت کے ساتھ حاصل ہے اس لیے عالم الغیب لفظ کا اطلاق صرف اسی کے لیے مخصوص ہے اس کے سوا دوسری کسی بھی ذات کے لیے روا نہیں ہے جیسا کہ شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

"علم غیب خاصہ خدا وند است"(حصہ اول)

اس چیز کو قرآن عزیز نے اس وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے :

عالم الغیب لایعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلك ولا اکبر الا فی کتاب مبین

عالم الغیب میرے رب کی ذات ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں،نہ ذرہ سے چھوٹی چیز اور نہ ہی بڑی، کوئی اس سے غائب نہیں ہے۔ (سورۃ سبا آیت:۳)

اس حقیقت کے بعد واضح ہوکہ مولانا اشرف علی تھانوی نے یوں لکھا تھا کہ اللہ کے سوا جتنی مخلوق ہے اس میں کوئی بھی فرد ذاتی علم کی صفت نہیں رکھتا جس کو جتنا بھی علم نصیب ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا عطاء کیا ہوا اور بخشا ہوا ہے مخلوق کے اندر باہم اس علم میں خواہ کتنا فرق و تفاوت ہو لیکن ہے وہ سب خالق حقیقی کا بخشا ہوا۔ مولانا مرحوم نے لکھا علم عطائی اور خدا سے ملے ہوئے علم والی شخصیت پر عالم الغیب کا اطلاق تسلیم کیا جائے تو ایسا علم(یعنی عطا کیا اور بخشا ہوا) زید، عمر بچوں وغیرہ سب کو نصیب ہے خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو اور عطائی علم والے پر اطلاق (عالم الغیب) سے لازم آتا ہے کہ ادنیٰ آدمی بلکہ معمولی اور حقیر چیزوں کو بھی عالم الغیب کہا جائے۔ اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تعریف نہیں نکلتی بلکہ اُن حقیر مخلوق سے تشبیہ لازم آتی ہے جو سراسر باطل اور ظلم عظیم ہے۔ مولانا تھانوی تشبیہ کا ابطال اور رد کر رہے ہیں لیکن بد باطن اعداء ان کی اسی عبارت میں زید بکر جیسا علم ثابت کرکے تشبیہ کا بہتان لگا رہے ہیں ۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حالانکہ مولانا تھانوی مرحوم نے پوری صفائی اور وضاحت کے ساتھ اس الزام سے اپنی برءت بیان کر دی تھی: "جو شخص ایسا عقیدہ رکھے یا بلا اعتقاد صراحتاً یا اشارتاً یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم معاذ اللہ زید بکر کے برابر ہے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں، وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے سرورِ عالم فخر بنی آدم کی"
مگر یہ غالی آج تک اس غیظ تہمت کی اشاعت کرتے آ رہے ہیں۔

قریب ہے یارو روزِ محشر
چھپے گا کشتوں کو خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر
لہو پکارے گا آستین کا"

(تحقیقی جائزہ صفحہ ۶،۷)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ پر الزام کا جواب

"**دوسرا بہتان:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا ہوجائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"

شرق پوری صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**سبحانك هذا بهتان عظيم!** مولانا قاسم نانوتوی مرحوم پر یہ بہتان اتنا کھلا جھوٹ ہے جتنا کہ یہ جھوٹ ہے کہ سورج سیاہ ہے۔اس لیے کہ مولانا مرحوم نے " تحذیر الناس " نامی کتاب لکھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے تھی۔ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے دلائل بیان کئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے آخر میں تشریف لائے لہٰذا زمانہ کے لحاظ سے آپ آخری نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اسی طرح آپ نے مرتبہ اتنا بلند پایا ہے کہ تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ سے فروتر اور آپ کے امتی کی حیثیت سے ہیں۔ بنا بریں بفرضِ محال آپ کی موجودگی میں کوئی نبی ہو تو آپ خاتم الانبیاء ہی رہیں گے اور اس نبی کا ہونا آپ کی خاتمیت پر کوئی نقص نہیں ڈالے گا چنانچہ مولانا تحذیر الناس صفحہ ۱۰ پر اس چیز کو یوں بیان کرتے ہیں :
"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے ادہر تصریحات نبوی مثل انت مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي (ترجمہ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا تو میرے بعد مدینہ میں اسی

طرح نائب ہے جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام قائم مقام تھے لیکن یاد رکھئے میرے بعد کوئی نبی نہیں)جو بنظرِ ظاہر لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے پھر اس پر اجماع منعقد ہو گیا ہے"

اس عبارت میں مولانا مرحوم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی چار دلیلیں پیش کی ہیں :

۱۔قرآنِ عزیز میں جو لفظ خاتم النبیین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آیا ہے اس سے ختم نبوت زمانی اور مرتبی دونوں مراد لی جائیں تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا قرآنِ عزیز سے بدلالت مطابقی ثابت ہوگا۔

۲۔لفظ یعنی خاتم النبیین سے صرف خاتمیت مرتبی مراد ہو لیکن چونکہ اس کے لیے خاتمیت زمانی عقلاً لازم ہے تو اس لفظ خاتم النبیین کی دلالت بطورِ التزام لازم ہوگی ۔

۳۔ احادیثِ متواترۃالمعنٰی سے آپ کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہے ۔

۴۔ امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اجماع منعقد ہوگیا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

اتنی وضاحت کرنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں: "جو بد مذہب ختمِ نبوت کا انکار کرے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ مانے وہ کافر ہے"

پھر "مناظرہ عجیبہ" صفحہ نمبر ۱۰۳ پہ رقمطراز ہیں :

"اپنا دین ایمان ہے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نبی ہونے کا احتمال ہی نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں"

الغرض ان کی مراد یہ ہے کہ قرآن عزیز کے لفظ خاتم النبیین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو خاتمیت ثابت ہوتی ہے وہ صرف زمانی ہی نہیں بلکہ بطورِ اشتراک یا عموم مجاز خاتمیت مرتبی بھی اس کے مدلول میں داخل ہے۔وہ خود "تحذیر الناس" صفحہ ۱۴ پر خاتمیت مرتبی کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں کوئی نبی ہو جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ آفتاب عالمتاب جو چمک وضیاء میں ہر روشن چیز سے بلند مرتبہ ہے آفتاب کی موجودگی میں کوئی بھی روشن چیز ماند اور معدوم ہوگی۔بالکل اسی طرح آفتابِ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم کے طلوع ہوجانے کے بعد ہر قمرو کوکب آفتاب کے سامنے ماند و معدوم ہوگا۔"(تحقیقی جائزہ صفحہ ۸،۷،۶)

مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ پر اعتراض کا جواب

"بہتان: شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام سے زیادہ ہے۔"

شرق پوری صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**اصل حقیقت :** براہین قاطعہ مصنفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی جس عبارت کو سیاق وسباق سے ہٹا کر اس افتراء کی بنیاد بنایا گیا ہے اس کی وجہ تحریر یہ ہے کہ مولوی عبد السمیع بریلوی میرٹھی نے " تواریِ ساطعہ" کتاب لکھی اور حسب عادت بریلوی طائفہ شاذ اور موضوع روایات کا سہارا لیا اور قیاس اور محض انکل سے یہ لکھ کہ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)شیطان اور ملک اموت سے افضل ہیں تو آپ بوجہ اپنی اس افضلیت کے اپنے اندر خود ساری زمین کا علم پیدا نہیں کر سکتے اس نقطہ پر کلام کرتے ہوئے مولانا خلیل احمد مرحوم نے یہ کتاب لکھی تھی۔ انہوں نے یہ لکھا۔ چنانچہ اس بحث کی پہلی سطر یہ ہے:تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخر آدم عیہ السلام کو اور سب مخلوق کو جس قدر عم حق تعالی نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ زیادہ کا بھی عم ثابت کرنا شرک ہے سب کتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے کہ عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت حق تعالی کی بندہ میں نہیں اور جو کچھ وہ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں س سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں ہے پھر جس قدر علم عطا فرہ دیا ہے اس سے زیادہ ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان اور ملکوت الموت کو جس قدر وسعت دی(یعنی جس وسعت کو میرٹھی صاحب نے روایات سے ثابت کیا ہے) اس سے زیدہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں ہے دیکھئے عم مکاشفہ جس قدر حضرت خضر علیہ اسلام کو ملا اس سے زیدہ پر وہ قادر نہ تھے اور حضرت موسیٰ کو بوجود افضلیت کے نہ ملا تو وہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر عیہ اسلام کے برابر بھی اس علم مکاشفہ کو پیدا نہ کرسکے۔ یعنی یہ خیال غلط ہے کہ کوئی افضل اپنی افضلیت کی وجہ سے بغیر عطائے خدا وند قدوس کوئی صفت کمال مفضول سے زیادہ اپنے اندر پیدا کر سکے بلکہ جس کو جو کچھ ملے گا اللہ تعالٰی سے ہی ملے گا" (براہین قاطعہ صفحہ ۵۱ تا ۵۳)

"الغرض شیطان اور ملک لموت کا حال دیکھ کر یعنی یہ دیکھ کر کہ ان کو بعض مواقع زمین کا عم بہ عطائے خدا وندی حاصل ہے جیساکہ میرٹھی صاحب کی پیش کردہ روایات سے ثابت کیا گیا یعنی علم ذاتی فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیس فسد سے ثابت کرنا یعنی اس انکل سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان اور ملک الموت سے افضل ہیں تو آپ بوجہ اپنی افضلیت کے اپنے اندر خود ہی ساری زمین کا عم پیدا کریں گے محض قیس اور انکل ہے شیطان اور ملک الموت کے بعض موقع زمین کی عمی وسعت بہ عطائے خدا وندی حاصل ہونے سے یہ ثابت کرنا کہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسم کو ساری زمین کا ذاتی عم محیط حاصل ہے، قیس فاسد اور محض انکل ہے۔"

قارئین کرام ! بہ نظر انصاف دیکھیں کہ میرٹھی صاحب کے قیس فاسد اور انکل محض کہنے سے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور صلی للہ علیہ وآلہ وسلم سے زیدہ ہونا کس لفظ سے مستفاد ہے۔

۲۔ شیطان اور ملک الموت کے یے زمین کے بعض مواقع میں وسعت علم ثابت ہونے سے شیطان اور ملک اموت کا علم حضور عیہ الصلوۃ والسلام کے علم سے زیادہ ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس

لیے کہ یہ اصولی بات ہے کہ ایک وسیع العلم ہستی کے مقابلہ میں کسی خرد کے لیے کسی خاص شعبہ میں علمی وسعت تسلیم کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فرد اس وسیع علم ہستی کے علم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھ جا سکتا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ فلاں جرمن انجینئر تعمیرات کے بارے میں امام بخاریؒ سے وسیع علم رکھتا ہے یہ کہنے سے کوئی عقل مند آدمی یہ نہیں سمجھے گا کہ وہ انجینئر امام بخاریؒ سے زیادہ علم رکھتا ہے بالکل اسی طرح مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے کلام سے شیطان اور ملک الموت کا علم زیادہ ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بہتان عبارت کا سیاق و سباق سے ہٹا کر محض عناد کی بنا پر افتراء کیا گیا ہے۔"(تحقیقی جائزہ صفحہ ۳۸،۳۷)

" تصلب اور تشدد "

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

دلیل کے ساتھ اپنے مسلک پر ڈٹ جانا تصلب ہے۔ اور بلا دلیل کسی غلط بات پر ڈٹ جانا تشدد ہے۔ بعض حضرات جو علمی اعتبار سے پورے طرح بالغ بھی نہیں ہوتے اور نہ انکی کوئی علمی اور تحقیقی کارنامے ہیں لیکن وہ بھی مناظرین خصوصاً حضرت مفتی ندیم صاحب حفظہ اللہ کو مشورے دیتے ہیں کہ تشدد نہ کیا کرے۔ارے بھائیوں تشدد اور تصلب میں فرق کو ملحوظ رکھا کریں۔ حضرت مفتی صاحب متصلب ہے مسلک دیوبند پر نہ کہ متشدد۔ یہی الزام ساری عمر قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رح پر بھی لگتا رہا لیکن حضرت نے بلا چوں و چرا اہل باطل کا تعاقب کیا اور مسلک دیوبند پر متصلب رہا اور یہی معاملہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب کے لیے کہتا ہوں!

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

مولانا ثناءاللہ صفدر صاحب قسط: ۲

برائے نام اظہارِ برأت کا جواب
اور
مولانا سندھی کے نظریات سے متعلق علمائے محققین کے آراء

پچھلی قسط میں تنظیم فکر ولی اللہی کا مختصر تعارف ذکر کیا گیا تھا قبل اس کے کہ ہم فکریوں کے عقائد تفصیلاً ذکر کرتے ملک کے طول و عرض سے فکری حضرات کی جانب سے مختلف قسم کے پیغامات موصول ہونے لگے کہ جی جن نظریات وعقائد کو تم ہماری طرف منسوب کرتے ہو ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔
جی ہاں!
جب ہم فکریوں کے عقائد انکی کتب سے پیش کرتے ہیں تو فکری حضرات کبھی یہ کہہ کر اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں کہ یہ مولانا سندھی صاحب کے شاذ نظریت ہیں ہم ن سے متفق نہیں۔اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ پروفیسر سرور صاحب نے لکھے ہیں ہمارا ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔
جواب: مذکورہ دونوں قسم کی باتیں درست نہیں، تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔
پہلی بات اس لئے درست نہیں،اگر واقعی فکری حضرات سندھی صاحب رحمہ اللہ کے نظریت سے متفق متفق نہیں تو آخر یہ تنظیم مولانا سندھی صاحب کے افکار پر کام کیوں کررہی ہیں؟ اور انہی کی ترویج وتبلیغ میں کیوں لگے ہوئے ہیں؟
تنظیم کا ترجمان رسالہ "عزم" میں لکھا ہوا ہے!

"اور فرمایا کہ مولانا رائے پوری مدظلہ سے رابطہ میں رہنا چاہیئے کیونکہ امام سندھی پر پورے پاکستان میں انہی کی جماعت کام کرنے میں مصروف ہے."(عزم صفحہ 9سیریز160)

ایک دوسری جگہ لکھ ہوا ہے

"یہ تھے مولانا سندھی،ان کا فکر اور ان کا نظریہ ور مشن جو نہ صرف یہ کہ خود زندہ ہے بلکہ اپنوں اور غیروں کو بھی زندگی اور قوت بخشتا ہے۔۔۔"

آگے لکھتے ہیں کہ!

"آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مولانا سندھی رحمہ اللہ کی حقیقت پسندانہ فکر کو اپنی فکروعمل کی اساس

بناکر نوجوان نسل س خامانہ نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑکر اس کی جگہ سیاسی ،معاشی اور سماجی عدل کا اسلامی نظام قائم کرے۔" (عزم صفحہ 10 سیریز169)

اب سوال یہ ہے کہ مولانا سندھی مرحوم کی اس فکر سے کیا مراد ہے؟ اور وہ کہاں دستیاب ہے؟
تو جواب یہ ہے کہ وہ انہی کتابوں مثلاً "افادات و ملفوظات"،"حالات"، "تعلیمات"، "سیاسی افکار"، "خطبات ومقالات"، "المقام المحمود" اور "الہام الرحمن" وغیرہ میں ہیں۔ اور یہ تمام کتب فکریوں کے زیر مطالعہ رہتے ہیں۔
لہذا یہ کہنا کہ ہم سندھی صاحب کے نظریات سے متفق نہیں، یہ دراصل جان چھڑانے کا بہانہ ہے کیونکہ پوری جماعت حضرت سندھی صاحب کے افکار و نظریات پر ہی کام کررہی ہے۔
دوسری بات یعنی فکریوں کا یہ کہنا کہ یہ نظریات پروفیسر سرورصاحب نے لکھے ہیں سندھی صحب کا یا ہمارا ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔تو یہ دعویٰ بھی بلادلیل ہے۔
اس لئے کہ فکری حضرات مولانا سندھی صاحب کی اکثر کتابوں کے مرتب پروفیسر سرورصاحب کو مولانا سندھی کا مخلص ترجمان اور تلمیذ رشید سمجھتے ہیں۔
فکریوں کے ترجمان رسالہ "عزم" میں لکھا ہے کہ:

"محمد سرور امام سندھی کے مخلص ترجمان تھے،خود مولانا سندھی نے اپنی زندگی میں ان کی لکھی گئی تحریرات پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی۔اج کل بعض شرپسند لوگ ان کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرکے درحقیقت امام سندھی صاحب کے فکر اور پروگرام سے نوجوانوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔" (رسالہ عزم صفحہ 13 سیریز 192)

یعنی شک نہیں کرنا چاہیے بلکہ پروفیسر سرورصاحب حضرت سندھی کے مخلص ترجمان تھے،انکی تحریر حضرت سندھی ہی کی تحاریر ہیں۔ سی طرح شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کے چیئرمین تنظیم کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ "ولی اللہی نظام فکر کی عصری اہمیت" میں لکھتے ہیں کہ:

"چنانچہ حضرت سندھی نے یہ علوم وافکار بڑی جانفشانی سے نئی نسل کو شیخ بشیراحمد لدھیانوی مرحوم،مولانا مقبول عالم مرحوم اور حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ان افکار پر یک قابل قدر تحریری ذخیرہ بہم پہنچایا جبکہ ان افکار پر خانقاہ عالیہ رائے پور کے صدر نشین حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائپوری مدظلہ نوجوانوں کو فکری وعملی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔
وہ وقت دور نہیں جب نوجوان نسل ان افکار کو حرزِجان بنالے گی۔" (ولی اللہی نظام فکر کی عصری اہمیت)

مذکورہ عبارات سے پتہ چلا کہ تنظیم مولانا سندھی مرحوم کی فکر پرکام کررہی ہے اور مولانا سندھی صاحب کی فکر ان

کتابوں میں موجود ہے۔
جو بقول تنظیم فکر ولی اللہی کے مولانا سندھی صاحب کے تلمیذ رشید اور مخلص ترجمان پروفیسر سرور ور شیخ بشیر احمد صاحب وغیرہ نے لکھی ہیں یا ترتیب دی ہیں۔اب پھر بھی یہ کہنا کہ یہ سندھی کے نظریات ہیں یا پروفیسر سرور نے لکھے ہیں اور ہم انہیں نہیں مانتے۔یہ ضد، سینہ زوری اور بچوں والی باتیں ہیں۔
پھر بھی گر کوئی فکری صدق دل سے یہ کہتاہے کہ مذکورہ عقائد میرے نہیں ہے تو ٹھیک بہت ہی اچھی بات ہت ہے۔ہمیں خوشی ہوتی ہے کہ ان کو اب تک تنظیم کے زہریلا ور گندے نظریت کی جراثیم نہیں پہنچی ہیں۔
لیکن ہاں ان کو اتنا کہنا چاہیں گے کہ فی الحال آپکی مثال اس تنظیم میں ایسی ہے جیسے کوئی بچہ ٹائم پاس کرنے کی خاطر کسی سیاسی جلسے یا کانفرنس میں شریک ہوجائے۔ لیکن اس بچے کو نہ تو اس کانفرنس کا مقصد معلوم ہے اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ یہ کانفرنس کس جماعت کے زیر اہتمام ہیں لیکن جب بھی سٹیج سکریٹری نعرے بلند کرتے ہیں تو دیگر آنے والے لوگوں کی طرح یہ بچہ بھی زندہ باد اور مردہ باد کے نعروں سے جواب دیتاہے۔
بالکل یہی مثال اس فکری بھائی کی ہے کہ یہ تنظیم فکر ولی اللہی کارکن تو بن ہے لیکن تاحال تنظیم کے افکار ومقاصد سے ناواقف ہے یا پھر اس تنظیم میں اس کو وہ اہمیت اب تک نہیں ملی ہیں جس کی بناء پر انکو تنظیم کے خفیہ مقاصد اور افکار سے باخبر کیا جاسکے۔

سوال

جو نظریات حضرت سندھی کے متعلق نقل کئے جاتے ہیں کیا واقعی یہ حضرت ہی کی نظریت ہیں حالانکہ مولانا سندھی کی مدح و توصیف میں تو اکابر علماء کرام کی تحریر اور اقوال موجود ہیں اور بعض جید علماء کرام نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ!

> "مولانا سندھی صاحب کے بعض فکار شاذ بھی ہیں۔بعض مرجوح قسم کے خیالات بھی ہیں۔اور بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کی نسبت ان کی طرف کرنے میں ان کے تلامذہ نے غلطی کی ہے۔"

اب حقیقت کیا ہے؟

جواب

مولانا مفتی محمد رضوان صاحب انتہائی زبردست موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ!
بندہ صاحب علم بزرگ ہونے کی حیثیت سے مذکورہ حضرات کی دل سے قدر کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ عملی امور میں جو رائے عنداللہ حق اور راجح معلوم ہوتی ہو، اس کا اختیار کرنا اپنی ذمہ داری بھی سمجھتا ہے۔ اور یہ معاملہ چونکہ کسی کی ذات کا نہیں، بلکہ دین اور علمی دیانت کا ہے، اس لئے بندہ اس سلسلہ میں اپنی رائے ظاہر کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔
جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
مولانا عبیداللہ سندھی صاحب کے تلامذہ اور انکی طرف منسوب آراء کا عنداللہ کیا مقام و درجہ یا حقیقت ہے؟اس سے قطع نظر کرتے ہوئے بندہ دلائل اور ظاہری حالات وقرائن کی بنیاد پر یہ سمجھتا ہے کہ مولانا سندھی صاحب کی جو

باتیں معتبر روایت سے پہنچی ہوں،ان کا بلاوجہ انکار نہ کیا جائے،اور ان کے کسی شاگرد کو ان باتوں کا اصل ذمہ دار قرار نہ دیا جائے، کسی دوسرے کو بلا دلیل متہم نہ کیا جائے، اور ظاہری عبارات میں جو باتیں خلاف شریعت معلوم ہوں، ان کی تردید کی جائے،اور مولانا(سندھی) کی طرف سے اس قسم کی لغزشوں کو کم از کم درجہ میں ان کے ذہنی اختلال و اختلاط پر محمول کیا جائے، جیسا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ فرما چکے ہیں۔یہ حسن ظن کا کم ازکم درجہ ہے، جس کی نظیر بے شمار محدثین اصحاب علم میں پائی جاتی ہیں،اور اہل علم حضرات میں معروف ومشہور ہیں۔۔۔۔۔۔اور تاریخی حقائق سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ابتداء میں تو مولانا سندھی کے چند مخصوص تفردات کی وجہ سے اکابر دیوبند کی طرف سے ان کی دیوبند مدرسہ سے علیحدگی عمل میں آئی تھی۔ پھر ہندوستان سے باہر طویل زمانہ میں اور واپس آکر جب مولانا سندھی کی طرف سے متعدد صریح غلط افکار سامنے آئے، تو اکابر اہل علم حضرات کی طرف سے ان کی تغلیط اور ان سے اپنی اور اپنے مسلک حقہ کی برأت کا اظہار کیا۔

مولانا سندھی کی طرف منسوب متعدد شاذ افکار معتبر و مستند طریقہ پر ثابت ہیں، بالخصوص ان کے ہندوستان سے باہر طویل زمانہ کے افکار۔ہم اپنی کتاب میں متعدد مستند و معتبر حضرت کے ایسے مشاہدات ذکر کرچکے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں مولانا سندھی سے ملاقات اور ان کے افکار کی سماعت کے بعد ان سے بدظن و متنفر ہوکر لوٹتے تھے، اور جن حق پرست اور معتدل حضرات نے ہندوستان واپسی کے بعد ان کی تقریرات وتحریرات ملاحظہ کیں،ان کا حال بھی یہی تھا۔ظاہر ہے کہ یہ ایک مشاہداتی وتاریخی حقیقت ہے،جس کا کسی صورت انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۔۔۔۔۔۔ذیل میں اپنی کتاب سے چند اقتباسات نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"مولانا(سندھی) مصائب جھیلتے ہوئے جب حجاز میں پہنچے،اور ہم کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا،تو ان کی حالت دیکھ کر ہمارے تعجب اور تحیر کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ہم نے دیکھا کہ مولانا کی وہ ذہانت اور رزانت،وہ حلم وبردباری،وہ سکون وسکوت،جس کو ہم پہلے مشاہدہ کرتے تھے،سب کے سب تقریباً رخصت ہوچکے ہیں،ذرا ذرا سی بات پر خفا ہوجاتے ہیں،چیخنے چلانے لگتے ہیں،غصہ آجاتا ہے۔باتیں بہت زیادہ کرنے لگے ہیں۔بسا اوقات ایک ہی مجلس میں متضاد اور متخالف امور فرماتے رہتے ہیں،"الخ (اخبار"مدینہ بجنور" 17 مارچ 1945 مطابق 2 ربیع الثانی 1364ھ بشکریہ ماہنامہ "البلاغ" جامعہ دارالعلوم کراچی،شعبان المعظم 1417 ھ دسمبر 1996ء صفحہ 15 تا 19۔ناقل ،شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی)

اور مولانا ظہور احمد بگوی صاحب نے فرمایا:

"1936ء میں بمقام مکہ مکرمہ ان کی خدمت میں حاضر کا موقع ملا تھا۔اس وقت بھی میں نے یہی رائے قائم کی تھی کہ مولانا کا دماغ حوادثِ دہر کا مقابلہ نہیں کرسکا اور اس میں اختلال عظیم واقع

ہوچکا ہے، الخ " (ماہنامہ "شمس الاسلام" بھیرہ شمارہ اگست ستمبر1939 صفحہ (ش) جلد10 شمارہ 9۔8 موسومہ "صور اسرافیل نمبر)

یادرہے! کہ مولانا سندھی صاحب،مارچ 1939 میں واپس ہندوستان تشریف لائے تھے، اس لئے مولانا ظہور احمد بگوی صاحب کا مندرجہ بالا تبصرہ اس زمانہ کے شروع کا ہے،مولانا سندھی صاحب کا انتقال 22 اگست 1944ء کو، یعنی اس تحریر کی اشاعت کے تقریبا پانچ سال بعد ہو۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جو کچھ آپ نے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے سلسلہ میں لکھاہے،میرے نزدیک یہ مسلہ بے حد قابل توجہ اور اہم ہے،نہ صرف یہ ہی بلکہ جماعت دیوبند میں اب بہت سی شاخیں ایسی نکل رہی ہیں،جو آزادی کی مسموم ہوا سے کم وبیش متاثر ہیں،شاید کچھ مدت کے بعد ہمارے اکابر کا مسلک ایسا ملتبس (یعنی خلط ملط) ہوجائے کوشش کرنے والوں کے نزدیک بھی منقح(یعنی صاف) نہ ہوسکے،الخ" (انوار عثمانی صفحہ نمبر115۔116،خط نمبر 31،بنام مولانا یوسف بنوری صاحب، مرتب: پروفیسر محمد انوار الحسن انور شیرکوٹی، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، مولوی مسافرخانہ بندر روڈ کراچی۔)

نوٹ۔یہ ایک جوابی خط ہے جو مولاناشبیراحمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے مولانا محمدیوسف بنوری رحمہ اللہ کو لکھ ہے۔ (مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب)

مولانا عبیداللہ سندھی کے دور کے ایک عالم دین ،مولانا عبدالصمد رحمانی نے مولانا عبد الماجد دریابادی کو مولانا سندھی کے افکار و نظریات کے متعلق ایک مراسلہ بعنوانِ "مولانا سندھی کے افکار عالیہ: علمائے اسلام کے لئے لمحہ فکریہ" ارسال کیا تھا، جس کو مختصر مولانا عبد الماجد دریابادی نے 14 مارچ 1944ء کے ہفت روزہ "صدق" میں شائع کیا۔ ذیل میں اس مراسلہ کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے۔

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

مولانا عبیداللہ سندھی کی تعلیمات اور افکار سیاسی اور ان کے سوانح حیات پر جامعہ ملیہ سندھیہ دہلی کے پروفیسر محمد سرور صاحب نے جو کتاب "مولانا عبیداللہ سندھی" نامی شائع کی ہے،اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔مولانا سندھی کی طرف قرآن وحدیث کے جن افکار کا انتساب کیا گیا ہے،وہ اتنے غلط اور غیر اسلامی ہیں کہ ان کے متعلق اپنے قدیم حسن ظن کی بناء پر ذہن یہ قبول کرنے کیلیے تیار نہیں ہے کہ یہ واقعی مولانا کے افکار ہوسکتے ہیں۔

میرے لئے یہ سہل تھا کہ ان افکار کے متعلق مولانا سندھی سے نجی طور پر استصواب کرلیتا۔مگر اس کتاب کی اشاعت کا معاملہ نجی حد سے آگے بڑھ چکا ہے،اور مولانا سندھی کے انتساب کے ساتھ یہ

افکار عوام تک پہنچ چکے ہیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کو مولانا سندھی کی زبان و قلم سے اس کی تصویب اور تغلیط معلوم ہوجائے۔ (ہفت روزہ "صدق" 14 مارچ 1944)

محوظ رہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کی تعلیمات الخ نامی کتاب مولانا سندھی کی زندگی میں شائع ہوئی، اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ مذکورہ افکار کی تردید نہیں فرمائی ،بلکہ مذکورہ کتاب کی تصدیق بھی فرمائی۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے فرمایا:

"(مولانا سندھی) کے قیام حجاز کے زمانے میں جو لوگ ہندوستان حجاز کو جاتے رہے، وہ ان کے اجنبی اور بیگانہ خیالات کو سن کر جس عقیدت سے ان کی مجلس میں جاتے تھے، اس عقیدت کے ساتھ واپس نہیں آتے تھے۔ ان کی ہندوستان واپسی واپسی کا سیاسی ومذہبی دونوں گروہوں کو انتظار تھا، لیکن فسوس جب وہ واپس آئے تو نہ تو وہ پہلے گروہ میں مقبول ہوئے اور نہ دوسرے گروہ میں۔"

نیز فرمایا:

"یہ معاملہ اگر ذات کا ہوتا تو یہ تحریر یہیں ختم ہوجاتی، مگر افسوس کہ یہ ذات کا نہیں بلکہ دین کا ہے پھر گو وہ خود اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے، مگر اپنے خیالات کو اپنے دوستوں کی تحریروں کے ذریعہ سے خلعتِ دوام بخش ہوگئے، اس لئے جب تک وہ موجود ہیں وہ زیر بحث آتے ہی رہینگے۔"

مزید فرمایا:

"ممکن تھا کہ مولانا کی وفات پر ان کے خیالات کی وفات ہوجاتی، مگر افسوس پر افسوس یہ ہے کہ ان کے افکار و خیالات کی ترتیب وتہذیب واشاعت کا فرض ایک خاص ادارہ (سندھ ساگر اکیڈمی) کی طرف سے سرانجام پایا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان خیالات نے اپنے بانی کے زندگی کے بعد بھی اپنی زندگی کا سامان کرلیا ہے۔ ملک میں یہ خیالات برملا ظاہر کئے گئے، اور ان کی دعوت پر دعوت دی گئی، بلکہ اس کی ترتیب واشاعت میں بعض علماء نے بھی حصہ لیا۔" (مقدمہ "مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر" تالیف: مولانا مسعود عالم ندوی از صفحہ 19 تا 29، دارالدعوۃ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور، تاریخ اشاعت، صفر 1406ھ نومبر 1985ء)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا:

جب مولانا سندھی طویل مدت کے بعد ہندوستان تشریف لائے ور انہوں نے بعض ایسے خیالات وافکار

کا اظہار فرمایا جو مولانا(احمد علی لاہوری)کے نزدیک صحیح الخیال علماء اور راسخ العقیدہ جماعت کے عقائد وافکار ومسلک سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔۔۔۔اور ان سے مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا ہونے کا خدشہ تھا،تو مولانا (احمد علی لاہوری رحمہ اللہ)نے ان کے خیالات میں متابعت نہیں فرمائی، بلکہ صاف اپنے اختلاف کا اظہار کردیا،جس سے مولانا سندھی کو رنج بھی ہوا ،اور شکایت بھی پیدا ہوئی۔الخ (پرانے چراغ ج1 ص 158)

اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

"چنانچہ آخری دور میں انہوں نے پھر بعض ایسے نظریات کی تبلیغ شروع کردی جو جمہور علمائے امت کے خلاف، بلکہ نہایت خطرناک اور زائغنہ تھے۔ادھر چونکہ علمائے دیوبند کی جدوجہد آزادی میں برابر مولانا سندھی مرحوم کا نام آتا تھا، اس لئے خطرہ تھا کہ ان کے نظریات علمائے دیوبند کی طرف منسوب نہ ہوں۔اس لئے حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے نہ صرف مولانا سندھی کے ان نظریات کی تردید کی بلکہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو بھی اس طرف متوجہ کیا جو سیاسی جدوجہد میں مولانا سندھی مرحوم کے رفیق رہے تھے۔چنانچہ حضرت مولانا مدنی قدس سرہ نے حضرت مولانا سندھی مرحوم کے ان نظریات کی تردید میں ایک مضمون لکھا جو اخبار مدینہ بجنور میں شائع ہوا" (نقوش رفتگاں،89 دربیان حضرت مولانا محمد یوسف بنوری،مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن،احاطہ دارالعلوم کراچی،طبع جدید جنوری2004)

نوٹ:

یہ حوالہ جات "مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکر ولی اللہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ" تالیف: مولانا مفتی محمد رضوان صاحب کی کتاب سے لیے گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ سفر روس وکابل کے بعد مولانا عبیداللہ سندھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظریات میں مختلف عوارض کی بناء پر کافی حد تک تبدیلی آچکی تھی۔ اسی لئے علمائے حق نے بروقت اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کو ان سے آگاہ فرمایا۔
رہ گئی یہ بات کہ علماء دیوبند سے حضرت سندھی صاحب رحمہ اللہ کی تعریف وتوصیف بھی تو ثابت ہے۔تو یاد رہے یہ علمائے دیوبند کی ایک خاص صفت ہے کہ یہ حضرات افراط وتفریط سے کام نہیں لیتے،سفر روس وکابل وغیرہ سے پہلے مولانا سندھی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ باوجود جزئی اختلاف کے علماء دیوبند انکی ثابت شدہ خوبیوں، کارناموں اور خلوص کا برملا اقرار کرتے تھے، لیکن جس وقت مولانا سندھی صاحب، افغانستان، سویت یونین، ترکی اور حجاز کے

قیام کے بعد 1939 میں ہندوستان پہنچے تو ان کی تقاریر اور تحریروں میں پیش کئے جانے والے خیالات سے علماء کو اختلاف ہونا شروع ہوا، تب علماء نے حضرت سندھی صاحب کے ان نظریات کی بھی برملا نشاندہی کی جو جمہور امت کے خلاف تھے۔

لہٰذا اس قسم کی تحریرات کو زمانی فرق کے ساتھ نظریاتی وخدماتی فرق کے تناظر میں ملاحظہ کرنے سے کئی قسم کے شبہات دور ہوسکتے ہیں جن کی طرف توجہ نہ ہونے سے بقول مولانا مفتی محمد رضوان صاحب کے متعدد اہل علم حضرات بھی مختلف شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جمہور علمائے حق کی نظریات سے تاقیامت وابستہ فرمائے۔آمین (جاری)

درس گاہ سے" اکابر کے نہ ماننے والے" کو نکالنا

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

اپنی درس گاہ سے اکابر کے نہ ماننے والے کو نکالنا اسلاف کا طریقہ ہے۔ مناقب کردری میں اسماعیل بن بشر سے نقل کیاہے کہ ایک دفعہ ہم امام مکی کی مجلس میں حدیث کادرس لے رہے تھے ۔امام نے فرمانا شروع کیا کہ یہ حدیث روایت کی "ہم سے امام ابوحنیفہ رح نے..." اتنا ہی کہا تھا کہ ایک مسافر اجنبی شخص چیخ پڑا کہ ہم سے ابن جریج کی حدیث بیان کرو ۔ابوحنیفہ رح سے روایت مت کرو محدث مکی نے جواب دیا کہ " ہم بیوقوفوں کو حدیث سنانا نہیں چاہتے میں ہدایت کرتا ہوں کہ تم میری حدیث مت سنو اور میری مجلس سے نکل جاؤ

(ملفوظات محدث کشمیری 127)

جب مدارس میں مماتی فتنہ تقیہ کرکے ہمارے اکابر و سلف سے پڑھتے تو اکابرین میں سے خصوصاً استاد المحدثین شیخ سیم اللہ خان رح نے ببانگ دہل اپنے درس حدیث سے مماتیوں کو نکالنا شروع کیا اور اپنی سند ان سے منقطع کیا حتیٰ کہ اپنے مدرسہ کے کھانے پینے کا بھی ان کو اجازت نہیں دیتے۔

اسی طرح ہمارے مادر علمی جامعہ انوارالقرآن میں ہر سال استاد محترم وسلیقی الی اللہ شیخ سجاد الحجابی صاحب افتتاحی بیان میں کھل کر ان کے خلاف اعلان کرتے۔ یہی ہمارے اسلاف کا طرز ہے۔

اگر ہم بھی اس مزج کو اپنائیں تو مستقبل میں ہمارے طلباء وعلماء کا ان خطرناک فتنہ سے مرعوب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ان شاءاللہ

مفتی محمد الیاس صاحب فاضل دارالعلوم کراچی

مسئلہ اعادہ روح کی تنقیح اور اعتراضات کا جائزہ

محترم قارئین!

چند دنوں پہلے ایک مناظرہ بموضوع مسئلہ اعادہ روح الی الابدان العنصریۃ فی البرزخ سننے کو ملا، جس میں اہل بدعت مناظر نے موضوع سے متعلق کوئی بات نہیں کی، لہٰذا توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مظاہرہ ہر بار سننے کو ملا۔ ہم تسکین الصدور (جو امام اہل السنۃ الشیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کی مایہ ناز اور محققانہ تصنیف ہے اور اس پر اکابر علماء دیوبند کے تائیدی تقریظات بھی ثبت ہیں) کے حوالے سے مسئلہ اعادہ روح کی تفصیل اور مفہوم عرض کر رہے ہیں، تاکہ کسی کوتاہ فہم کو شبہ نہ رہے اور اہل حق کے سینوں کو تسکین ملے۔ نیز اہل بدعت کے فضول ور لایعنی اعتراضات کا قلعہ خود ہی قمع ہو جائے۔

عبارت نمبر 1:

" بلکہ وہ (جمہور) بھی یہی فرماتے ہیں کہ رد روح واعادہ روح الی الجسد وفی الجسد سے یہی مراد ہے کہ روح کے جسم عنصری سے ایک گونہ تعلق کے ساتھ ادراک اور فہم وشعور پیدا ہو جاتا ہے جس سے سوال نکیرین کو سمجھنا اور جواب دینا اور ثواب وعذاب کا احساس متحقق ہو جائے" (ص:55)

عبارت نمبر 2:

" نحوی قاعدہ کے مطابق الی الجسد فی الجسد او ببدنہ میں کوئی اضطراب نہیں اسی طرح رد، اعادہ اور اتصال ببدن سے روح کا بدن سے تعلق مراد ہے مگر ایسا جس سے مردہ میں ادراک وشعور پیدا ہو جائے"
(ص:56)

عبارت نمبر 3:

" امام قاسم بن قطلوبغا الحنفی (المتوفی ۸۷۹ھ) لکھتے ہیں: قال الإمام القونوی اختلفوا فی انہ یخلق فیہ حیواۃ مطلقۃ کحیاتہ قبل الموت او حیواۃ بقدر ما یحس الألم والصحیح ھذا (شرح المسامرہ للقطلوبغا ج:2 ص:116)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں مردہ کو مطلق اور کامل حیات حاصل نہیں ہوتی جیسی حیات موت سے

پہلے اس کو دنیا میں حاصل تھی بلکہ اس انداز کی حیات اس کو حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب وکلفت کا احساس ہوسکے، یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تو اس حیات کا احساس کرسکتے ہیں اور نہ اس کی پوری حقیقت کا ادراک کرسکتے ہیں" (ص:142)

عبارت نمبر 4:

" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روح کا وہ کلی تعلق جو جسم کے ساتھ دنیا میں تھا (یا قیامت کے دن ہوگا) اگرچہ موت کے بعد وہ تو باقی نہیں رہتا مگر روح کا بدن سے بلکہ جزاء سے ایک ایسا تعلق بدستور باقی رہتا ہے جس سے علم وشعور وغیرہ حاصل ہوتا ہے" (ص:150)

عبارت نمبر 5:

" قبر میں اس قسم کا تعلق (نشوونما، خوراک کی حاجت وغیرہ) روح کا جسم سے نہیں ہوتا بلکہ وہاں تو فی الجملہ تعلق ہوتا ہے جس سے ادراک وشعور پیدا ہو اور جس سے راحت والم محسوس ہوسکے اور اس تعلق کے لیے بدن کا صحیح سلامت رہنا بھی کوئی شرط نہیں" (ص:152)

عبارت نمبر 6:

" الغرض حضرت برا(بتخفیف الرا) بن عازب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں عودالروح الی البدن کے ساتھ قبر میں جو حیات ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے لیکن دنیوی زندگی کی طرح محسوس حیات نہیں بلکہ نوع من الحیواۃ ہے" (ص:155)

عبارت نمبر 7 :

"ہاں بعض حضرات کا یہ نظریہ بھی ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر بلاتکلیف نکال دی جاتی ہے لیکن معہذا میت میں ایسا ادراک وشعور باقی رہتا ہے کہ جب بھی کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو (اس کے سلام وکلام کے لب ولہجہ سے) پہچان لیتی ہے، چنانچہ مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں، المنکر والنکیر یاتیان المیت فیرسل فی ذالک لمیت الروح ثم یقعد فاذا سئل رست روحہ بلا ألم والمومن بأن المیت یعرف من یزورہ او اتاہ وآکدہ یوم الجمعہ بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس." (تحریرات حدیث ص:257 تسکین الصدور ص:156)

عبارت نمبر 8:

"اعادہ روح کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ روح کا تعلق بکمالہ جسم سے ہو جیسا کہ دنیا میں تھا یا آخرت میں ہوگا. اس میں اختلاف ہے اگر حضرت امام صاحب سے توقف کا قول کسی معتبر طریقہ سے ثابت ہے تو اس سے بھی یہی پہلی صورت مراد ہوگی ور پہلے امام قونوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ حق یہ ہے کہ قبر میں اعادہ روح کی یہ صورت نہیں ہوتی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اعادہ روح سے فی الجملہ تعلق مراد ہو جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی صریح عبارات کے حوالہ سے یہ بات پہلے نقل کی جاچکی ہے اور یہ اعادہ صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں، اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خود اپنی کتاب فقہ اکبر میں اس اعادہ روح کی تصریح کردی ہے" (ص:162)

عبارت نمبر 9:

"علم الکلام کی مشہور اور متداول کتابوں کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ قبر میں روح کا جسم سے اس قدر تعلق کافی ہے جس سے فہم خطاب اور رد جواب متحقق ہو اور الم وراحت کا ادراک وشعور ہوسکے اور اس کیلئے تمام جسم کی حیات ضروری نہیں بلکہ روح کا تعلق باطن قلب یابدن مادی کے اجزاء سے پروردگار کو منظور ہو قائم کردے تو مطلب پورا ہوجاتاہے" (ص:206)

عبارت نمبر 10:

"آگے ہم حضرات جمہور کے مسلک کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ قبر اور برزخ میں جسم کی طرف اعادہ روح کے قائل ہیں اور اعادہ روح کے ساتھ جو حیات ہوتی ہے وہ برزخی بھی ہے بایں معنیٰ کہ یہ کارروائی برزخ میں ہوئی اور جسمانی بھی ہے بایں تفسیر کہ قبر میں روح کا اتصال اور تعلق جس درجہ کا بھی ہے جسم مادی اور عنصری سے ہے جو بدن دنیا میں حاصل تھا اس لحاظ سے جن حضرات نے اس حیات کو برزخی کہا ہے وہ بھی ٹھیک ہے ور جنہوں نے جسمانی کہ وہ بھی ٹھیک ہے، ہمارے نزدیک یہ نزع لفظی ہے" (ص:104.105)

تلك عشرة كاملة

قارئین کرم ہم نے امام اہل السنۃ الشیخ سرفرازخان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے 10 عبارات پیش کردیئے جس کا خلاصہ اور سب لباب یہ ہے کہ قبر اور برزخ میں اجساد عنصریہ کی طرف ارواح کا لوٹایا جانا برحق ہے بایں طور کہ ارواح کا اجساد عنصریہ کے ساتھ ایک گونہ تعلق اور ربط قائم کیا جاتا ہے بقدر مایتألم ویتلذذ الخ

اب مناظرہ میں پیش کیے گئے چند اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں!

وسوسہ نمبر1:
تم کہتے ہوں کہ ہم قبر میں اعادہ فی الجملہ کے قائل ہیں حالانکہ تسکین الصدور میں صفحہ نمبر 107 پر لکھا ہے کہ اہل السنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ میت جب قبر میں دفن کردی جاتی ہے تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے یہ اعادہ بالجملہ (پورا) ہو بایں طور کہ روح بکمالہ پورے جسم میں داخل ہوجائے جیسا کہ دنیا میں داخل تھی یا فی الجملہ، الخ۔ معلوم ہوا تسکین الصدور والا بھی اعادہ کاملہ کا قائل ہیں۔
جواب:
مناظر صاحب پوری عبارت پڑھ لےخود تسلی ہوجائے گی، آگے لکھا ہیں ماحصلہ یہ اعادہ فی الجملہ ہے یا بالجملہ یہ اپنے مقام کی بحث ہے اس کے بارے میں کچھ ضروری بحث آگے بیان ہوگی۔ ص:107۔ پھر آگے خود شیخ صاحب نے وضاحت کی ہے کہ حق یہ ہے کہ یہ اعادہ فی الجمہ ہے نہ کہ بالجملہ۔
پہلی عبارت: امام قاسم بن قطلوبغا الحنفی (المتوفی ۷۸۹) لکھتے ہیں
"قال الإمام القونوی رح اختلفوا فی انه یخلق فیه حیوۃ مطلقه کحیاته قبل الموت او حیوۃ بقدر ما یحس الألم والصحیح هذا" (شرح المسامرۃ للقطلوبغا ج:2ص:116)
اس سے بھی معلوم ہو کہ قبر میں مردہ کو مطلق اور کامل حیات حاصل نہیں ہوتی جیسی حیات موت سے پہلے اس کو دنیا میں حاصل تھی بلکہ اس انداز کی حیات اس کو حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب اور کلفت کا احساس ہوسکے، یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تو اس حیات کا احساس کرسکتے ہیں اور نہ اس کی پوری حقیقت کا ادراک کرسکتے ہیں (ص:142)
دوسری عبارت: الغرض حضرت برا(بتخفیف اراء) بن عازب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں عود اروح الی البدن کے ساتھ قبر میں جو حیات ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے لیکن دنیوی زندگی کی طرح محسوس حیات نہیں بلکہ نوع من الحیوۃ ہے۔(ص:155)
وسوسہ نمبر 2:
تعاد روحہ میں تعاد لفظ سے کبھی تم اعادہ فی الجسد مرد لیتے ہو، کبھی تعلق روح، کبھی توجہ، کبھی نوع من الحیوۃ، اور کبھی بقدر ما یتألم و یتعذ حالانکہ تعاد لفظ مشترک ہے اور عموم مشترک احناف کے ہاں جائز نہیں ہے۔
جواب:
سبحان اللہ، بہت خوب کیا ہی عجیب اعتراض ہے، اعتراض کرنے سے پہلے مشترک کی تعریف پڑھ لیتے تو یوں سرعام رسوائی نہ ہوتی۔
جناب من!
تعاد لفظ مشترک نہیں کہ واضع لغت نے الگ الگ معنوں کے لیے مستقلاً وضع کیا ہو بلکہ مرادف ہے اور مرادف کہتے ہیں کہ الفاظ کئی ہوں اور معنی ایک ہو، یہاں بھی الفاظ کئی طرح کے وارد ہیں، جیسے تعاد روحہ فی جسدہ میں

تعاد، ردالله على روحي، میں رد، باقی رہے بقدرِ مایتألم ویتلذذ یانوع من الحیٰوۃ، اسی طرح تعلق روح یا اعادہ فی الجملہ تو یہ اس تعبیر کی تشریحات ہیں جسے ہم ثابت کر رہے ہیں(کہ یہ برزخی حیات، قبر میں میت کے یے فی الجملہ ہے نہ کہ حیت مطلقہ) اور کلام کے مختلف تعبیرات سے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مفہوم وہی کے وہی رہتا ہے البتہ اس سلوب کلام سے مزید توضیح کا فائدہ حاصل ہوجانا الگ بات ہے۔ نیز اہل اصول اس مشترک جس کے کم از کم دو معنی ہوں، کے مثال میں جاریہ اور مشتری لاتے ہیں کہ جاریہ کشتی کو بھی کہتے ہیں اور باندی کو بھی اسی طرح مشتری خریدنے والے کو بھی کہتے ہیں اور سیارے کو بھی، اور جس مشترک کے دو سے زائد معنی ہوں مثلاً عین جس کے تقریباً ساٹھ معانی ہیں، بمعنی سونا، بمعنی جاسوس، بمعنی آنکھ، بمعنی گھٹنہ، وغیرہ ان میں اگر آپ نے غور کیا ہوگا تو ہر معنی کی حقیقت دوسرے معنی سے الگ ہے جبکہ تعاد کے معنوں کی حقیقت ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ سب کی حقیقت ایک ہے پھر کیونکر تعاد مذکورہ معنوں میں مشترک بنتا ہے بلکہ مرادف ہے کمامرانفا، اگر یہ تسلیم نہ ہو تو ہم عموم مجاز بھی مراد لے سکتے ہیں اوراس صورت میں معنی کرلینگے حیات برزخی کا، اور یہ آپ کو بھی تسلیم ہے کہ حیات کہتے ہیں روح جسم میں داخل ہو یا روح کا جسم سے تعلق ہو۔لیکن کلام، برزخ کے متعلق ہے تو واضح ہے کہ فی الجملہ تعلق مراد ہے، نوع من الحیٰوۃ مراد ہے نہ کہ دنیاوی ظاہری حیات یا اخروی، لہذا یہ محض خوش فہمی ہے کہ تعاد کے مختلف معانی ہیں اور ہر معنی کی حقیقت دوسرے سے الگ ہے اس لیے تم تعاد سے بیک وقت کئی معانی مراد لیتے ہو جس سے عموم مشترک لازم آتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تعاد کے تمام معانی الگ الگ حقیقت کے حامل نہیں بلکہ سب کا مفہوم ایک بنتا ہے، اسے تو نرا جاہل ہی عموم مشترک کہہ سکتا ہے۔

وسوسہ نمبر3:

جب تعاد کئی معنوں میں مشترک ہے اور ایک جگہ یک معنی کو ترجیح دی گئی تو وہ مؤول بن گیا اور مؤول ظنی ہوتا ہے جبکہ ظنیات سے عقائد ثابت نہیں ہوتے۔

جواب:

جب تعاد کا مشترک ہونا اوپر غلط ثابت ہوا تو اسے مؤول کہنا بطریق اولی غلط ہے، جبکہ بعض عقائد از قبیل ظنیات بھی ہوتی ہیں جو اس جیسے دلیل سے ثابت کئے جاسکتے ہیں، ملاحظہ ہو النبراس شرح شرح العقائد۔

وسوسہ نمبر4:

تمہارے بعض اکابر بعد سوال و جواب کے روح کے دوبارہ نکالنے کے بھی قائل ہیں تو اعادہ اور تعلق میں کونسی نسبت مراد لیتے ہو اگر دونوں میں تساوی کی نسبت ہوتو بالضرور نقیضین میں بھی تساوی کی نسبت ہوگی، اور نقیضین ہیں لا اعادہ، لاتعلق، تو جب بعض کے نزدیک بعد سوال وجواب کے روح نکال لی گئی تو لااعادہ رہا اور یہ مساوی ہے لاتعلق کے، گویا یہ اکابر لاتعلق کے قائل ہوگئے جو تعلق تمہارے نزدیک میت کے عذاب وثواب کے لیے شرط ہے اسی طرح آپ کے یہ بعض اکابر عذاب وثواب قبر کے منکر ہوگئے۔

جواب:

اعادہ مطلقہ کے ہم قائل نہیں ہیں بلکہ اعادہ فی الجملہ کے قائل ہیں اور بے شک اعادہ فی الجملہ اور تعلق کے مابین تساوی کی نسبت ہے تو ضرور ان کے نقیضین میں بھی تساوی کی نسبت ہوئی اور نقیضین اس کے لا اعادہ فی الجملہ اور لاتعلق ہیں اور ہمارے نزدیک لا اعادہ فی الجملہ کا کوئی بھی قائل نہیں تو لامحالہ لاتعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا تو عذاب قبر کے

کیسے منکر ہوگئے، نیز اعادہ بالجملہ اور فی الجملہ میں اختلاف ہے لیکن امام تونوی کا حوالہ گزر گیا کہ حق اعادہ فی الجملہ ہے۔لیکن یاد رہے مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ اور بعض بزرگ اس کے قائل تھے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ پھر روح بلاتکلف نکال لی جاتی ہے لیکن معاذا میت میں ایسا ادراک وشعور باقی رہتا ہے کہ جب بھی کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو (اس کے سلام وکلام کے لب ولہجہ سے) پہچان لیتی ہے۔ (تحریرات حدیث ص:257،تسکین الصدور ص:156)۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

خیر الامین قاسمی صاحب

عقیدہ حیات النبی ﷺ ضروریات اہل سنت والجماعت سے ہے جس کاانکار یا باطل تاویل اہل سنت سے خروج ہے۔ یہ تناپکا نظریہ وعقیدہ ہے کہ چودہ سوسالہ دور میں کسی سنی نے اس کاانکار نہیں کیا من ادعی خلافہ فعلیہ الدلیل والبرھان امام اہل سنت والجماعت شیخ سرفرازخان صفدر نے تسکین الصدور کے اندر چیلنج کیا ہے کہ عام اس سے کہ سلوک وتصوف کی کتب ہو یا تاریخ وعقیدے کی لیکن ہو اس کا تعلق اہل ستت سے،کسی ایک سنی عالم سے اس کاانکار ثابت کریں ۔جو تاحال لاجواب ہے۔
عقیدہ حیات النبیؐ کے متعلق ٹھوس دلائل ، اور ثبوت کے لئے درجہ ذیل چند کتابوں کا مطالعہ کریں۔
تسکین الصدور، مقام حیات ، تسکین الاذکیاء جدیدنام تسکین الاولیاء ، تسکین الاتقیاء ، الحیات بعدالوفات ، القول المعتبر، علماء دیوبند کا عقیدہ حیات النبیؐ اور عطاء اللہ بندیالوی وغیرہ
اور فیصلہ کریں کہ اس عقیدے پر قائم رہنا کتنا ضروری ہے گویا کہ حیاتی ہونا سنیت کا دوسرا نام ہے۔
لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتاہے کہ کراچی کے ایک عظیم شخصیت مفتی زرولی خان رحمہ اللہ کے بیٹے انور شاہ کاایک کلپ آج سنا جس میں وہ حیت النبیؐ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے غلط تشریح بھی کرتا ہے اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ آخر میں کہتاہے کہ نہ حیاتی بنے نہ مماتی ۔اگر حیاتی بننا ضروری نہیں تھا تو اکابر دیوبند جو چودہ سو سال سے حیاتی ہے ور عقیدہ حیت پر ہے ان کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے۔اپنے والد محترم کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے۔اپنے والد محترم کے شیخ ومرشد امام اہل سنت شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے۔
پتہ نہیں ہمارے اپنے کس طرح غیر کاشکار ہوجاتے ہے اس نرم عنوان سے کہ جی امت میں جوڑ چاہئے اتحاد امت چاہئے۔آخر جوڑاور اتحاد کے یے بھی کوئی حد ور معیار ہوگا نہ۔ بہرحال مذکورہ شخص کا کلپ سن کردل انتہائی غمگین ہواکہ کتنی معصومیت کے ساتھ ہمارے اکابر سلاف کے محنت پرپانی پھیرتا ہے۔فالی اللہ المشتکی

محترم محمد حذیفہ راجکوٹی صاحب

نور الانوار کی ایک عبارت سے ناصبی استدلال کا جواب

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ **"مشاجرات صحابہ"** کے مسئلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مقابلے میں آنے والے صحابہ کرام، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سے **"خطاء اجتہادی"** ہوئی تھی جس پر وہ عند اللہ ماجور ہیں۔
اہل السنت والجماعت کے اس اجماعی مسلک کے خلاف ناصبی حضرات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف "خطاء اجتہادی" کی نسبت کو گستاخی قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ اجتہادی معاملات میں ہر مجتہد فی الواقع "مصیب" ہوتا ہے اسی طرح مشاجرات صحابہ کے مسئلے میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابلے میں آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے اجتہاد میں فی الواقع "مصیب" تھے اور ان میں سے کسی کی طرف بھی "خطاء اجتہادی" کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ناصبی حضرات کا یہ مسلک کہ ہر مجتہد فی الواقع "مصیب" ہوتا ہے، معتزلہ کا مسلک ہے نہ کہ اہل السنت والجماعت کا، چند دن قبل ایک ناصبی سے اس حوالے سے فیس بک پر گفتگو ہوئی تو اس نے اپنے مسلک پر بطور دلیل اصول فقہ کی مشہور کتاب "نور الانوار" کی ایک عبارت سے مغالطہ دینے کی کوشش کی اور اسے اپنے مسلک کا مستدل بنایا جس پر میں نے اس عبارت کی وضاحت کرنے کیلئے ایک مضمون فیس بک پر ہی لکھا تھا جس سے اس عبارت کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ عبارت ہرگز ہرگز مسلک اہل السنت والجماعت خلاف نہیں ہے بلکہ ناصبی حضرات کے مسلک خلاف ہے، وہ مضمون آپ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔
قارئین کرام!

ناصبی بیچارے ایسے بے وقوف ہیں کہ نہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہم جس کتاب کی عبارات پیش کرکے اس کا جو معنی بیان کرتے ہیں وہ معنی خود صاحب کتاب کی تصریحات کے خلاف ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ بیچارے لکیر کے فقیر ہیں اسلئے ان کا قصور نہیں ہے، یہ ناصبی نور الانوار کی ایک عبارت پیش کرکے اس کا اپنے پیٹ سے ایسا معنی بیان کرتے ہیں جو خود صاحب نور الانوار کو تسلیم نہیں ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت ملاجیون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"حتی قلنا إن المجتهد يخطئ ويصيب والحق في موضع الخلاف واحد ولكن لا يعلم ذلك الواحد باليقين، فلهذا قلنا بحقية المذاهب الاربعة" (ج:2 ص:60)

ترجمہ: {اور اختلاف کے موقع پر حق ایک ہی ہوتا ہے لیکن وہ ایک حق یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا} اسلئے ہم کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ حق ہیں۔ (بین القوسین ناصبی ہی کا کیا ہوا ترجمہ ہم نے لکھا ہے)

ناصبی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ چونکہ اختلاف کے موقع پر حق ایک ہی ہوتا ہے اور وہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا اسلئے کسی مجتہد کی طرف تعیین کے ساتھ "خطاء اجتہادی" کی نسبت نہیں کی جاسکتی بلکہ تمام مجتہدین کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ حق پر ہیں جیسے مذاہب اربعہ کو حق پر کہا جاتا ہے اور اسی طرح "مشاجرات صحابہ" کے مسئلے میں بھی صحابہ کرام کے دونوں گروہوں کو حق پر ہی کہا جائے گا چنانچہ ناصبی خود لکھتا ہے کہ:

"اور اگر کوئی کہے کہ "نور لانوار" کی جو ادھوری عبارت تم نے پیش کی ہے اسی میں لکھا ہے کہ چاروں فقہی مذہب حق ہیں تو اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ "صحابہ کرام کے اجتہادی اختلاف میں بھی تمام فریق حق پر تھے"

قارئین کرام! جب ہم "مشاجرات صحابہ" کے مسئلے میں تعیین کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف "خطاء اجتہادی" کی نسبت کرتے ہیں تو اعجز ناصبی اسے نور الانوار کی مذکورہ عبارت کے خلاف قرار دیتا ہے، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے کہ:

> "اور اگر کوئی کہے کہ "نورالانوار" کی جو ادھوری عبارت تم نے پیش کی ہے اسی میں لکھا ہے کہ چاروں فقہی مذہب حق ہیں تو اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ "صحابہ کرام کے اجتہادی اختلاف میں بھی تمام فریق حق پر تھے، "یہ تبرائی ٹولہ آپے سے باہر ہوجاتا ہے اور پھر راگ الاپنا شروع کردیتا ہے کہ "یہاں تو نصوص قطعیہ صریحہ سے ہم نے یہ قطعی فیصلہ کیا ہے کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف" (نوٹ: یاد رہے کہ ہم "مشاجرات صحابہ" کے مسئلے میں حق و مطلق باطل کا فیصلہ نہیں کرتے بلکہ حق و باطل لغوی کا فیصلہ کرتے ہیں اور باطل لغوی "خطاء اجتہادی" کو ہی کہتے ہیں، لہذا ناصبی کا مطلق باطل لکھنا دجل و تلبیس ہے. ناقل)

خلاصہ یہ کہ ناصبی نور ارانوار کی مذکورہ عبارت "ولکن لا یعلم ذلك...الخ" سے یہ سمجھا ہے کہ اجتہادی معاملات میں کسی بھی مجتہد کی طرف تعیین کے ساتھ "اجتہادی خطاء" کی نسبت کرنا درست نہیں ہے اگر کوئی کرے گا تو وہ نور الانور کی مذکورہ عبارت کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا۔

ہمارا دعوی یہ ہے کہ ناصبی کا نورانوار کی عبرت "ولکن لا یعلم ذلك...الخ" سے یہ سمجھنا کہ " اجتہادی معاملات میں کسی بھی مجتہد کی طرف تعیین کے ساتھ "اجتہادی خطاء" کی نسبت کرنا درست نہیں ہے" باطل اور مردود ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر نور الانور کی عبارت کا یہی معنی ہوتا تو آگے جاکر حضرت ملاجیون رحمہ اللہ اپنی ہی عبارت کی خلاف ورزی نہ کرتے، وہ اس طرح کہ آگے جاکر حضرت ملاجیون صاحب رحمہ اللہ نے حضرت داؤد و سیمان علیہما السلام کا واقعہ نقل فرماکر تعیین کے ساتھ حضرت داؤد علیہ اسلام کی طرف "خطاء اجتہادی" کی نسبت کی ہے، چنانچہ حضرت ملاجیون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

> "لأن المخطئ له أجر، والمصیب أجران وقد وقعت فی زمان داؤد علیه السلام و سلیمان علیه السلام حادثة، رعی الغنم حرث قوم فحکم داؤد علیه السلام بشئ وأخطأ فیه" (جلد2، ص63)

ترجمہ: اس لئے کہ مجتہد مخطی کیلئے ایک اجر ہے اور مصیب کیلئے دو اجر ہیں، اور تحقیق حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ بکریوں نے ایک قوم کی کھیتی کو چرّ (کھا) لیا تھا پس حضرت داؤد علیہ اسلام نے اس معاملے میں ایک فیصلہ فرمایا تھا جس میں ان سے "خطاء اجتہادی" ہوئی تھی۔

ہمارا ناصبی سے سول یہ ہے کہ اگر نور الانوار کی پہلی عبارت "ولکن لا یعلم....الخ" کا یہ معنی ہے کہ " اجتہادی معاملات میں کسی بھی مجتہد کی طرف تعیین کے ساتھ "اجتہادی خطاء" کی نسبت کرنا درست نہیں ہے" تو حضرت ملاجیون رحمہ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف تعیین کے ساتھ "اجتہادی خطاء" کی نسبت کیوں کی؟ معلوم ہوا کہ حضرت ملاجیون صاحب رحمہ اللہ کی عبارت "ولکن لا یعلم....الخ" کا وہ معنی درست نہیں ہے جو تم نے کیا ہے اگر تم کہتے ہو کہ تمہارا کیا ہوا معنی ہی درست ہے تو پھر تم اس تضاد کو دور کرو جو حضرت ملاجیون رحمہ اللہ کی اگلی عبارت سے آرہا ہے ورنہ ہمارے کئے گئے معنی کو تسلیم کرلو۔

ہمارے نزدیک حضرت ملاجیون صاحب رحمہ اللہ کی عبارت "ولکن لا یعلم ذلك....الخ" کا معنی یہ ہے کہ چونکہ اجتہادی معاملات میں حق ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حق یقینی طور پر معلوم نہیں کیا جاسکتا اور یوں نہیں کہا جاسکتا کہ یہی حق ہے اور اس کے مقابلے میں جو ہے وہ مطلق باطل ہے اسلئے کسی مجتہد کی طرف مطلقاً قطعی و یقینی خطاء کی نسبت نہیں کی جاسکتی البتہ تعیین کے ساتھ "اجتہادی خطاء" کی نسبت کی جاسکتی ہے کیونکہ تعیین کے ساتھ "اجتہادی خطاء" کی نسبت کرنا مطلق باطل کی نسبت کرنا اور مطلقاً قطعی و یقینی خطاء کی نسبت کرنا نہیں ہوتا اور جس طرح اجتہادی معاملات میں حق ایک ہی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ملاجیون صاحب رحمہ اللہ نے "والحق فی موضع الخلاف واحد" لکھ کر اس کی تصریح کی ہے اور مذاہب اربعہ بھی اجتہاد کے نتیجے میں ہی وجود میں آئے ہیں اسلئے ان کے اندر بھی حق ایک ہی ہے اور ہم (احناف) کے نزدیک وہ "حق" امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے لیکن اس میں خطاء کا احتمال بھی ہے اور باقی دیگر مذاہب ثلاثہ جنہیں ہم خطاء پر سمجھتے ہیں ان میں حق کا احتمال بھی ہے اور انہیں ہم مطلق باطل پر نہیں کہہ سکتے اور ان مذاہب کے مقلدین کے نزدیک ان کے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب خطاء پر ہیں لیکن ان میں حق کا احتمال ہے اسلئے ہم ان مذاہب میں سے کسی کی بھی طرف قطعی و یقینی خطاء اور مطلق باطل کی نسبت نہیں کرسکتے ہاں تعیین کے ساتھ "خطاء اجتہادی" کی نسبت کرسکتے ہیں، باوجود اس کے کہ ان مذہب میں فی الواقع "حق" ایک ہی ہے (اور وہ ہمارے نزدیک مذہب حنفی ہے) لیکن چونکہ دیگر مذاہب میں بھی "حق" کا احتمال موجود ہے اور انہیں ہم مطلق باطل پر نہیں کہتے بلکہ "خطاء اجتہادی" پر کہتے ہیں اور "خطاء اجتہادی" بھی حق کے دائرے میں ہوتی ہے اسلئے ہم چاروں فقہی مذاہب کو اس اعتبار سے حق پر کہتے ہیں اسی طرح ہم "مشاجرات صحابہ" کے مسئلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر کہتے ہیں لیکن اس طور پر حق پر نہیں کہتے کہ گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مطلق باطل پر تھے (معاذاللہ) بلکہ اس طور پر حق پر کہتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "خطاء اجتہادی" پر تھے اور چونکہ "خطاء اجتہادی" حق کے دائرے میں ہوتی ہے اسلئے اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حق پر کہا جاسکتا ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ

وہ بھی فی الواقع حق پر تھے، اور ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تعیین کے ساتھ جو خطاء کی نسبت کرتے ہیں وہ قطعی ویقینی خطاء اور مطلق باطل کی نسبت نہیں کرتے بلکہ "خطاء اجتہادی" کی نسبت کرتے ہیں، معلوم ہو کہ اجتہادی معاملات میں کسی مجتہد کی طرف "اجتہادی خطاء" کی نسبت کرنا نور الانوار کی عبارت "ولکن لایعلم.....الخ" کے خلاف نہیں ہے کیونکہ "اجتہادی خطاء" کی نسبت کرنا قطعی ویقینی خطاء اور مطلق باطل کی نسبت کرنا نہیں ہے، ہاں اگر ہم مطلق باطل کی نسبت کرتے تب نور الانوار کی عبارت ہمارے خلاف ہوتی۔ لہذا نور الانوار کی مذکورہ عبارت "مشاجرت صحابہ" کے مسئلے میں ہمارے پیش کردہ موقف کے خلاف نہیں ہے۔

قارئین کرام!

یہ ہے حضرت ملاجیون صاحب رحمہ اللہ کی عبارت "ولکن لایعلم.....الخ" کا درست معنی جس سے ان کی اگلی عبارت پچھلی عبارت سے نہیں ٹکراتی اور دونوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، اگر ناصبی کو اپنے ہی کیے گئے معنی پر اصرار ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے کیے گئے معنی کی صورت میں پہلی عبارت کا دوسری عبارت کے ساتھ جو تضاد آرہا ہے اسے دور کرے۔

"اعتماد علی السلف"

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"جہاں یہ ضروری ہے کہ ملک و ملت کی مہمات میں تعبیری اور فروعی اختلافات میں نہ الجھا جائے، وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی "اعتماد علی السلف" کے خلاف کوئی چنگاری سلگتی نظر آئے، اسے اول وہلہ ہی میں بجھ دینے کی پوری جدوجہد کی جائے، بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی آتشزدگی کہیں خرمن حیات کو جلا نہ دے۔" (مقام حیات، جلد: 1، ص: 119)

محترم محسن اقبال صاحب

روایت یا ساریۃ الجبل کی غیر مقلدین کے مستند علماء سے تصدیق

موجودہ دور کے اہلحدیث کہلانے والے اکثر نام نہاد محققین کشف و کرامات کے منکر ہیں اور کشف کو علم غیب کا نام دے کر اس پر کفر و شرک کے فتوے لگاتے ہیں۔

کشف و کرامت کا ایک مشہور واقعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے جس کو موجودہ نام نہاد محققین نہیں مانتے اور اس اس واقعے کے انکار کے لئے کچھ جراحت پیش کرتے ہیں۔ہم یہاں اس واقعے کی تصدیق اہلحدیث کہلانے والے نام نہاد محققین کے معتبر علماء سے پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس واقعے کی سند کو حسن کہا اور اس واقعے کو بطور کرامت تسلیم کیا۔

پہلے ہم پورا واقعہ نقل کرتے ہیں ۔

"عن ابن عمر قال: وجه عمر جيشا وأمر عليهم رجلا يدعى سارية فبينما عمر يخطب يوما جعل ينادي: يا سارية الجبل- ثلاثا، ثم قدم رسول الجيش فسأله عمر. فقال: يا أمير المؤمنين! لقينا عدونا فهزمنا فبينا نحن كذلك إذ سمعنا صوتا ينادي: يا سارية الجبل- ثلاثا، فأسندنا ظهورنا إلى الجبل فهزمهم الله فقيل لعمر: إنك كنت تصيح بذلك "ابن الأعرابي في كرامات الأولياء والديرعاقولي في فوائده وأبو عبد الرحمن السلمي في الأربعين وأبو نعيم عق معا في الدلائل واللالكائي في السنة، كر. قال الحافظ ابن حجر في الإصابة: إسناده حسن"

(كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال لعلي المتقي الهندي، حرف الفاء، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، حديث نمبر: ٣٥٧٨٨، دلائل النبوة للبيهقي، حديث نمبر: ٢٦٥٥، جامع الأحاديث للسيوطي، حرف الياء، قسم الافعال، مسند عمر بن الخطاب، حديث نمبر: ٣٠٢٥، الإصابة في معرفة الصحابة، لابن حجر العسقلاني، القسم الأول، السين بعدها الألف)

ترجمہ :"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کو روانہ فرمایا: اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے درمیان یہ نداء دی کہ یا ساریۃ الجبل ، اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں ہوجاؤ ۔ یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا ۔ جب لشکر کی جانب سے قاصد آیاتو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وہاں کا حال دریافت کیا ؟ اس نے کہا : اے امیر المؤمنین ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا تو وہ ہمیں شکست دے ہی چکے تھے کہ اچانک ہم نے ایک آواز سنی ، اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں ہوجاؤ ۔ پس ہم نے اپنی پیٹھ پہاڑ کی جانب کرلی تو اللہ

تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست دے دی۔ عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی عرض کیا گیا کہ بیشک وہ آواز دینے والے آپ ہی تھے۔ "

اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **الإصابة في معرفة الصحابة** میں ذکر کرنے کے بعد اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

فتاوی للجنہ الدائمہ جلد 26 صفحہ 41 فتویٰ 17021 میں اس واقعہ کو صحیح تسلیم کیا گیا اور بطور کرامت اس کو قبول کیا گیا۔

س: ایک صاحب لیکچر دینے کے لئے ہمارے اسکول تشریف لائے، لیکچر کا عنوان "اولیاء و بزرگوں کی کرامات" تھا، نہوں نے اپنے لیکچر میں یہ کہا کہ ایک بار حضرت عمر بن خطاب منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک آپ نے جو فوجی دستہ جنگ کے لئے بھیجا تھا، اس کو آواز دیتے ہوئے کہا: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف بڑھو، چنانچہ دستے نے آپ کی بات سنی، اور پہاڑ کی طرف چل پڑا، واضح رہے کہ اس فوجی دستے اور حضرت عمر کے درمیان لمبی مسافت تھی۔ تو کیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟ اور کیا اس کا شمار کرامات میں ہوگا؟

ج: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول درست ہے، اور ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یک فوجی دستہ بھیجا، ور اس کا امیر اس شخص کو بنایا جس کا نام " ساریہ " تھا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر ایک دن ہمارے درمیان خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک منبر پر کھڑے چیخنے لگے: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف بڑھو، اے ساریہ! پہاڑ کی طرف بڑھو۔ راوی کہتے ہیں کہ جب اس فوج کا قاصد پہنچا، تو حضرت عمر نے اس سے ماجرا دریافت کیا، تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ے امیر المومنین! ہماری دشمنوں سے مڈ بھیڑ ہوئی، اور ہم شکست کے قریب تھے کہ اچانک ایک چیخنے والے نے چیخ کر ہم سے کہا کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف بڑھو، تو ہم نے فوراً اپنی پیٹھیں پہاڑ کی آڑ میں کرلیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دیدی،

اس حدیث کو امام احمد نے "فضائل الصحابة" میں، ابو نعیم نے "دلائل النبوة" میں، ضیاء مقدسی نے اپنے المنتقی نامی موسوعہ میں، ، ابن عساکر نے اپنی تاریخ کی کتاب میں، امام بیہقی نے "دلائل النبوة" میں،

علامہ ابن حجر نے "الإصابة" میں اس کو ذکر کرتے ہوئے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اور ان سب سے پہلے حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی کتاب میں اس کو ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس روایت کی سند عمدہ اور حسن ہے، اور ہیثمی نے اپنی کتاب "الصواعق المحرقة" میں بھی اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے، اور حضرت عمر محدّث ملہم تھے، جیساکہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے [ان کے بارے میں] یہ ثابت ہے۔ ور اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت عمر کے لئے اس فوجی دستے سے سارے پردے ہٹا دئے گئے، اور انہوں نے اپنی جاگتی آنکھوں سے

اس دستے کو دیکھ، اور اس کے علاوہ اور بہت سی چیزیں جو ضعیف روایتوں میں مذکور ہے، اور جس کو غلو پسند صوفیوں نے اس بات کی دلیل بنای ہے کہ مخلوق غیب پر مطلع ہوسکتی ہے اور ان سے سارے پردے ہٹائے جاسکتے ہیں، یہ عقیدہ بالکل غلط ہے، اس لئے کہ غیب پر مطلع ہونا صرف للہ تعالی کی صفت ہے، اور مذکورہ بالا سوال میں یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس فوجی دستے کو جنگ کے لئے بھیجا تھا، اس کو آواز دی، اوراس فوجی دستہ نے آپ کی آواز سنی، اور پھر پہاڑ کی آڑ لے لیا۔ یہ حدیث کے مفہوم سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ **وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد، وآلہ وصحبہ وسلم۔**
(علمی تحقیقات ور فتاوی جات کی دائمی کمیٹی ممبر صدر بکر ابو زید عبد العزیز آل شیخ صالح فوزان، عبد اللہ بن غدیان ،عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز)

شیخ صالح العثیمین ؒصاحب سے پوچھا گیا کہ **یاساریۃ الجبل** کے واقعہ سے کیا اسباق ثابت ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے جو جواب دیا س کا مفہوم ہے کہ "اس سے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کرمت ثابت ہوتی ہےاور پھر اخیر میں فرمایا کہ کرامات اولیاء کا ثبوت بھی اس سے معلوم ہوتا ہے (آگے کرامت کی تعریف کی ہے) کہ کرامت ہر اس امر کو کہا جاتا ہے جو خارق للعادۃ ہو اللہ ج اسے اپنے اولیاء میں سے کسی ولی کے ہاتھ پر جاری فرماتے ہیں اس ولی کی تکریم کی خاطر ور اس راستے کی تصحیح کی خاطر جس پر وہ ولی چلتا ہے اسی وجہ سے ہر ولی کی کرامت ایک نشانی ہے اور معجزہ ہے اس رسول ص کا جسکی اتباع وہ ولی کرتا ہے (اور پھر تھوڑا س آگے فرمارہے ہیں) کہ کرامت کبھی تو ولی پر آئی ہوئی شدت و بلا سے اس ولی کو چھٹکار دینے کے لئے ہوتی ہے اور کبھی اللہ ج کے دین کے اس امر کے اعزاز کے لئے ہوتی ہے جسکی طرف وہ ولی دعوت دیتا ہے۔(فتاوی نور علی الدرب، جلد 12، صفحہ 267،268)
دوسرا سوال کہ یہ جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ عمر بن خطاب رض نے جبکہ وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے ساریہ رضی للہ عنہ کو دیکھ اور وہ دشمن کے مقابلے میں جنگ کے میدان میں تھے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا ساریۃ الجبل کیا یہ قصہ واقعی میں رونما ہوا ہے یا ایسے ہی ایک خیال ہے بس شریعت اس متعلق کیا کہتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قصہ مشہور ہے عمر بن خطاب رض سے متعلق (اور پھر تھوڑا سا آگے فرمارہے ہیں) کہ اس جیسے واقعت کا شمار کرامات اولیاء میں ہوتا ہے اور اللہ ج اسے اپنے ولیاء کے ہاتھوں پر جاری فرماتے ہیں انکے دل کی مضبوطی کے لئے اور حق کی مدد کے لئے ور ایسی کرامت گذشتہ امتوں میں بھی موجود ہے اور س امت میں بھی اور قیامت کے دن تک ہمیشہ رہےگی اور کرامت ایک ایسی شئ ہے جو خارق لعادۃ ہو اللہ ج اسے ظاہر فرماتے ہیں ولی کے ہاتھ پر اس کے دل کی مظبوطی کے لئے اور حق کی تائید کے لئے۔(فتاوی نور علی الدرب، جلد 12، صفحہ 267،268)
کچھ حضرت نے اس روایت کو محمد بن عجلان راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ محمد بن عجلان صدوق راوی ہے ۔ نافع سے اس کی روایت میں تدلیس کا خدشہ بھی ہو تو انہوں نے صراحت کروی ہے کہ یہ روایت انہوں نے ایاس بن معاویہ بن قرۃ (جو کہ ثقہ روی ہیں) سے بھی سماعت کی ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں لالکائی کی شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة - 2537 (1409 /7)

أنا الْحَسَنُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: أنا أَحْمَدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ حَمْدَانَ قَالَ: نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ قَالَ: نا أَبُو عَمْرٍو الْحَارِثُ بْنُ مِسْكِينٍ الْمِصْرِيُّ قَالَ: أنا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ص:1410

عُمَرَ "أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَ جَيْشًا أَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا يُدْعَى سَارِيَةَ. قَالَ: فَبَيْنَا عُمَرُ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمًا. قَالَ: فَجَعَلَ يَصِيحُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: يَا سَارِيَ الْجَبَلَ يَا سَارِيَ الْجَبَلَ. قَالَ: فَقَدِمَ رَسُولُ الْجَيْشِ فَسَأَلَهُ. فَقَالَ: "يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَقِينَا عَدُوَّنَا فَهَزَمْنَاهُمْ. فَإِذَا بِصَائِحٍ يَصِيحُ: يَا سَارِيَ الْجَبَلَ يَا سَارِيَ الْجَبَلَ. فَأَسْنَدْنَا ظُهُورَنَا بِالْجَبَلِ فَهَزَمَهُمُ اللَّهُ". فَقِيلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: إِنَّكَ كُنْتَ تَصِيحُ بِذَلِكَ. قَالَ ابْنُ عَجْلَانَ: وَحَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ بِذَلِكَ

لہذا جن اہل علم نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، ان کی بات درست معلوم ہوتی ہے، علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

"وَقد افرد الْحَافِظ قطب الدّين عبد الْكَرِيم الْحلَبِي لِهَذَا الحَدِيث جُزْءا ووثق رجال هَذِه الطَّرِيق "
ترجمہ: حافظ قطب الدین حلبی نے مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، جس میں اس واقعہ کے سارے طرق جمع کیے ہیں، اور اس طریق کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔(التذكرة في الأحاديث المشتهرة اللآلئ المنثورة في الأحاديث المشهورة ص:166)۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں

"وألف القطب الحلبي في صحته جزءاً

ترجمہ: قطب الحلبی نے مستقل رسالے میں اس کی صحت کو ثابت کیا ہے۔(الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة ص:۲۱۱)

البانی رحمہ اللہ نے (تحقيق الآيات البينات في عدم سماع الأموات صفحہ 112) میں اس کی سند کو "جید حسن" کہا ہے، جبکہ سلسلہ صحیحہ میں اس پر طویل گفتگو کی ہے، اور اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ واقعہ صرف ابن عجلان کی سند سے صحیح ہے، لہذا دیگر اسانید میں جو اضافے ہیں، اور جن سے اہل بدعت لوگ اپنے بدعی نظریات کے ثبوت کی دلیل لیتے ہیں، بالکل درست نہیں۔
غیر مقلدین کے امین اللہ پشاوری کہتے ہیں کہ

" یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ (2/181) میں نقل کیا ہے۔جیسے کہ مشکوۃ (2/546) رقم:59054 باب الکرامات میں ہے،امام ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ: 7/131 میں،ابن عساکرؒ نے (1-7/6)،(2-13/23)میں،الضیاءؒ نے المنتقى من مسموعاة بمرو (ص:28-29)میں ابن الاثیر نے اسد الغابہ (5/68) میں ذکر کیا ہے۔ اور السلسلة الصحيحه(3/101)(رقم1110) میں نافع سے مروی ہے کہ یقیناً عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ نے کہا"ياسارية الجبل ياسارية الجبل"اے ساریہ رضی للہ عنہ پہاڑ کو لازم پکڑ!اے ساریہ پہاڑ کو لازم پکڑ! تو اس وقت جمعہ کے دن ساریہ

رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف حملہ کر رہے تھے۔اور اس کے اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک مہینے کی مسافت تھی۔ جو اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں،اس حدیث کی متعدد سندیں ہیں اور یہ خطبۂ جمعہ کے دوران تھی نیند نہیں تھی۔رہا وہ کشف جو صوفیاء تخیل کرتے ہیں تو وہ باطل ہے اور یہ کرامت تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں الہام ہوا تھا، آپ کے منہ سے سمجھ کے بغیر صدور ہو گیا تھا۔ تفصیل کے لیے مراجعہ کریں،السلسلہ۔فتاویٰ الدین الخالص، امین پشاوری (جلد 1 صفحہ 212)۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو جید کہا اور مختلف طرق بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ سب طرق ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں۔

عن ابنِ عمرَ قال وجَّهَ عمرُ جيشًا ورأَّسَ عليهم رجلًا يُدعى ساريةَ فبينما عمرُ يخطبُ جعل يُنادي ياساريةُ الجبلَ ثلاثًا ثم قدِم رسولُ الجيشِ فسأله عمرُ فقال يا أميرَ المؤمنين هُزِمنا فبينما نحن كذلك إذ سمِعنا صوتًا يُنادي ياساريةُ الجبلَ ثلاثًا فأسندنا ظهرَنا إلى الجبلِ فهزَمَهُمُ اللهُ تعالى قال قيل لعمرَ إنك كنتَ تصيحُ بذلك.(الإصابة في تمييز الصحابة (ابن حجر العسقلاني)-الصفحة أو الرقم:2/3 (الجزء3-الصفحة 5.) كشف الخفاء (العجلوني)-الصفحة أو الرقم:2/515) المصدر:البداية والنهاية (ابن كثير)-الصفحة أو الرقم:7/135)السلسلة الصحيحة (الألباني)-الصفحة أو الرقم:(3/101) 1110)خلاصة حكم المحدث: إسناده حسن كرامات أولياء الله عز وجل للالكائي(سنة الوفاة:418) .ذكر فضائل الصحابة وغيرهم . سياق مَا روي من كرامات أمير المؤمنين أبي حفص عُمَر...رقم الحديث: 49)

علامہ ابن قیم رحؒ اس کو "کشف" میں شمار کرتے لکھتے ہیں:

والكشف الرحماني من هذا النوع: هو مثل كشف أبي بكر لما قال لعائشة رضي الله عنهما: إن امرأته حامل بأنثى. وكشف عمر-رضي الله عنه-لما قال: ياسارية الجبل، وأضعاف هذا من كشف أولياء الرحمن.
[مدارج السالكين (228/3)]

ترجمہ:اور کشف رحمانی یہ ہے ، جس طرح کہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ کہا کہ ان کی بیوی بچی کا حاملہ ہے ، اور اسی طرح عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا کشف جب کہ انہوں نے یاسارية الجبل کہا تھا یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف دھیان دو ، تو یہ اللہ رحمن کے اولیاء کے کشف میں سے ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو فضائل صحابہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے واقعات میں ذکر کیا ہے۔ محقق نے اس کی سند کو حسن کہا اور کہا کہ علامہ هیثمی نے اس کی سند کو صواعق المحرقہ میں حسن کہا اور علامہ بن تیمیہؒ نے الفرقان میں اس روایت سے استدلال کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساریہ والے واقعے کو اور دوسرے کئی واقعات کو بطور کشف تسلیم کیا اور لکھا

"وأما المعجزات التي لغير الأنبياء من باب الكشف والعلم فمثل قول عمر في قصة سارية. وأخبار أبي بكر بأن ببطن زوجته أنثى، وأخبار عمر بمن يخرج من ولده فيكون عادلاً. وقصة صاحب موسى في علمه بحال الغلام. والقدرة مثل قصة الذي عنده علم من الكتاب. وقصة أهل الكهف، وقصة مريم وقصة خالد بن الوليد وسفينة مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي مسلم الخولاني، وأشياء يطول شرحها. فإن تعدادها مثل المطر. وإنما الغرض التمثيل بالشيء الذي سمعه أكثر الناس. وأما القدرة التي لم تتعلق بفعله فمثل نصر الله لمن ينصره وإهلاكه لمن يشتمه." (فتاوىٰ ابن تیمیہ جلد 11 صفحہ 318)

اور جہاں تک معجزات غیر انبیاء کے علم و کشف کے باب میں ہے تو اس کی مثال ----- ساریہ کا عمر والا قصہ ہے ----- ان قصوں کی تعداد اس قدر ہے جیسے بارش۔

پنی دوسری کتابوں النبوات، قاعدة عظيمة في الفرق بين عبادات أهل الإسلام والإيمان وعبادات أهل الشرك والنفاق، الفرقان بين أولياء الرحمن وأولياء الشيطان، منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کئی بار اس قصہ کا ذکر کشف کی دلیل کے طور پر کیا۔

میر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کرامت کے مشہور واقعے "یا ساریہ الجبل" کو مشہور اہلحدیث عالم مولانا سماعیل سلفیؒ نے مشکوۃ المصابیح کے ترجمہ میں تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اس میں کئی کرامتیں ہوئی، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر آنا ایک گھمسان کا مدینہ میں، دوسرے پہنچنا ان کی آواز کا وہاں اور ان میں سے ہر ایک کو سننا اس آواز کو، تیسرے ان کا فتحیاب ہونا امیر المومنین کی برکت سے"(ترجمہ مشکوۃ المصابیح، 395/396)

کچھ نام نہاد محققین اس روایت کے راوی پر امام سیوطیؒ کی جرح نقل کرکے اس روایت کا انکار کرتے ہیں جبکہ امام سیوطیؒ نے پنی تین کتب میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی "یاساریہ الجبل" والی کرامت کو نقل کر کے اس کو بطور کرامت تسلیم کیا ہے۔ (شرح قطف الثمر في موافقات عمر، ۸/۷۷، جامع الاحادیث، ۲۸۹/۱، تاریخ الخلفاء، باب کرامت عمر رضی اللہ عنہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت کے مشہور واقعے "یاساریہ الجبل" کو اہلحدیثوں کے مشہور عالم امام شوکانیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور کتاب کے محقق سید یوسف احمد نے اسکو بطور کرامت ذکر کیا ہے(قطر الولی، 59)۔

کچھ نام نہاد محققین یا ساریہ الجبل کے راوی پر ابن جوزیؒ کی جرح نقل کر کے اسکا انکار کرتے ہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت کے مشہور واقعے "یاساریہ الجبل" کو علامہ ابن جوزیؒ نے مناقب امیر المومنین میں بطور کرامت ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نقل نہیں کی(مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب، 133) الأحاديث المختارة، للضياء المقدسي کی تلخیص میں "یاساریہ الجبل" والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے(صحاح الاحادیث فیما متفق علیہ اہل الحدیث، 553/472)۔

امیر امومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت کے واقعے کی سند کو مشہور اہلحدیث عالم غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری نے اپنی ایک ویڈیو میں حسن قرار دیا اور اس کے راوی پہ جرح کا تفصیلی جواب دیا۔
تو اتنے علماء نے اس واقعہ کو صحیح تسلیم کیا ور بطور کشف و کرامات اس سے دلیل پکڑی۔ بالفرض گر یہ روایت ضعیف بھی ہے تب بھی بطور کشف و کرامات اس واقعہ سے دلیل لی جا سکتی ہے۔

معجزہ و کرامت نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں

اہل سنت کا جماعی نظریہ ہے کہ نبی و ولی اپنے اختیار سے معجزہ و کرامت کا صدور از خود نہیں کرسکتے اس پہ کافی حوالہ جات وقتاً وقتاً مختلف ساتھیوں نے پیش کئے ہیں۔ ایک حوالہ مزید بھی مطالعہ فرمائیں۔ حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب رحمہ اللہ شرح العقیدۃ الطحاویہ کے صفحہ نمبر 156 پہ لکھتے ہیں :
والمعجزة تظهر على ايدي الانبياء. والكرامة على ايدي الاولياء. وهي كالمعجزة في كونها فعلا من افعال الله، لا من فعل العبد" ولا هي في اختيار الولي يظهرها حيث يشاء، بل يظهرها الله على يده اظهار الشرفه وفضله على الناس حسب ما يقتضيه المشية الالهية.
اہل علم کیلئے تو ترجمہ کی قطعاً ضرورت نہیں البتہ عوام کیلیے اتنا عرض ہے کہ اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ معجزہ اور کرامت یہ بندے کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالی کا فعل ہے اسمیں بندے کو کوئی اختیار نہیں اور ناہی ولی کو کوئی اختیار ہے کہ جب چاہے کرامت کو ظاہر کرے۔
بعض ہم عصر اہل علم حضرات نے کچھ عرصہ پہلے یہ موقف اختیار کیا کہ" کرامت ولی کے اختیار میں ہوتا ہے بایں معنی کہ اسباب کرامت ولی کے اختیار میں ہوتے ہیں درست ہے"۔اب کیا اسباب کرامت کی وجہ سے کرامت کو اختیاری کہہ سکتے ہیں یا نہیں تو اصول فقہ میں مندرج ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لینا جائز ہے لیکن مسبب بول کر سبب مراد لینا جائز نہیں البتہ جہاں سبب مسبب کے ساتھ خاص ہو وہاں مسبب بول کر سبب مراد لینا بھی جائز ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کرامت مسبب بول کر آج تک آپ سبب کس طرح مراد لیتے رہے یعنی اسباب؟آپ کی اگر کرمت سے مراد اسباب کرامت تھے تو اول روز ہی سے آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اسباب کرامت اختیاری ہیں۔نیز یہ بات ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی کہ اگر کرامت اختیاری سے مراد اسباب کرامت ہیں تو مبتدعین کے ساتھ ایسے لفظی اشتراک میں آپ کیوں شریک ہوئے جو کہ اصول فقہ کی نظر میں بھی صحیح نہیں؟ بالفرض آپ اگر یہی سمجھتے رہے ہیں کہ ہم مجازی معنی مراد لے رہے ہیں تو سوال یہ ہے کہ مجاز کی نفی بھی جائز ہوتی ہے مثلاًزید اسد مجازاً کہنا جس طرح جائز ہے اسی طرح اسکی نفی کرنا زید لیس باسد کہنا بھی جائز ہے اب سوال یہ ہے کہ جو حضرات یہ کہتے آئے ہیں کرامت غیر اختیاری ہیں یعنی اختیاری کی نفی کرتے آئے ہیں ان سے آپ کیوں الجھے؟ (محترم یونس یاسین کے تحریر سے اقتباس)

محترم ندیم اشرف صاحب

مقام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

نصوص قرآن وحدیث کی بنیاد پر اور تمام اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقیدے کے مطابق حضرات صحابہ کی شان یہ ہے کہ وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں ہیں، مگر محفوظ و مامون ضرور ہیں، چناں چہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ، حضرات صحابہ کی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے "مقام صحابہ" صفحہ ۱۱۲ پر رقم طراز ہیں:

> "اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت وعظمت اور ادنیٰ گناہ کے صدور کے وقت ان کا خوف وخشیت اور فوراً توبہ کرنا؛ بلکہ اپنے آپ کو سزا جاری کرنے کے لیے پیش کر دینا اور اس پر اصرار کرنا روایات وحدیث میں معروف ومشہور ہے۔"

صفحہ ۱۱۳ پر رقم فرماتے ہیں:

> "حق تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کے اخلاق وعادات، ان کے حرکات وسکنات کو دین کے تابع بنادیا تھا، ان سے اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوتا تھا اور اگر عمر بھر میں بھی شاذ و نادر کسی گناہ کا صدور ہوگیا، تو فوراً اس کا کفارہ توبہ واستغفار اور دین کے معاملے میں پہلے سے زیادہ محنت ومشقت اٹھا کر کر دینا ان میں معروف ومشہور تھا۔"

اس سے معلوم ہوگیا کہ اول تو عموماً صحابہ سے گناہ نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی ہو جاتا تو بد تاخیر علی الفور اس سے توبہ اور اس کا کفارہ ادا کر دیتے تھے۔

اہل سنت والجماعت کا متفق عقیدہ بھی یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیائے عظام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہیں، ان میں سے بعض حضرات سے گناہ کبیرہ تک کا بھی صدور ہوا ہے مگر یہ بھی اہل سنت والجماعت ہی کا مضبوط و اٹوٹ قانون وضابطہ ہے کہ صحابہ کی جانب ارتکاب کبیرہ کی نسبت اس وقت قابل قبول ہے، جب کہ صحیح احادیث ہوں، ضعیف آثار سے کوئی بات ثابت نہیں مانی جائے گی اور ہر ایسی حدیث کی تحقیق لازم وضروری ہے، جس میں صحابہ کی تنقیص شان آئی ہو، اب اگر ایسی روایت صحیح و معتبر ثابت ہو اور کوئی صحیح ومعقول اور مناسب تاویل نہ چل سکتی ہو تو اتنی ہی بات مانی جائے گی جتنی کہ بیان ہوئی ہے لیکن اگر وہ ضعیف حدیث ہوگی تو کوئی کلام ہی نہ ہوگا علی الفور رد کردی جائے گی۔ اسی طرح اگر صحیح و درست محل پر محمول کرنا ممکن ہو، تو اسی کو مراد لیا جائے گا، اس کو چھوڑ کر عظمت صحابہ کے منافی کوئی کوئی بات قبول نہیں کی جائے

گی۔

مفسر کبیر ،فقیہ بے نظیر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ اس پر مفصل و شاندار گفتگو فرماتے ہوئے اپنی شاہ کار تصنیف "مقام صحابہ" صفحہ ۱۲۱-۱۲۲ میں رقم فرماتے ہیں:

"کسی بھی شخصیت کو مجروح کرنے اور اس پر کوئی الزام ثابت کرنے کے لیے اسلام نے جرح وتعدیل کے خاص اصول مقرر فرمائے ہیں، جو عقلی بھی ہیں اور شرعی بھی۔ جب تک الزمت کو جرح وتعدیل کے اس کانٹے میں نہ تولا جائے ، اس وقت تک کسی بھی شخصیت پر کوئی الزم عائد کرنا اسلام میں جرم اور ظلم ہے۔ یہاں تک کہ جو شخصیتیں ظلم و جور میں معروف ہیں ،ان پر بھی کوئی خاص الزام بغیر ثبوت و تحقیق کے لگا دینے کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ بعض اکابر امت کے سامنے کسی نے حجاج بن یوسف ثقفی پر۔ جس کا ظلم و جور دنیا میں معروف ومتواتر ہے۔ کوئی تہمت لگائی تو اس بزرگ نے فرمایا کہ تمھارے پاس اس کا ثبوت شرعی موجود ہے کہ حجاج بن یوسف نے یہ کام کیا ثبوت کوئی تھا نہیں نقل کرنے والے نے حجاج کے بدنام اور معروف بالفسق ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھی کہ اس کا ثبوت مہیا کرے۔اس مقدس بزرگ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو کہ حجاج اگر ظالم ہے اور للہ تعالی اس سے ہزاروں تشنگان ظلم کا انتقام لے گا تو اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ حجاج پر اگر کوئی غلط تہمت لگائے گا، تو اس کا بھی انتقام اس سے لیا جائے گا۔ رب العالمین کا قانونِ عدل اس کی جازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص گناہ گار فاسق؛ بل کہ کافر بھی ہے، تو اس پر جو چاہو؛ الزام اور تہمت لگا دو۔

اور جب اسلام کا یہ معاملہ عام افرادِ انسان یہاں تک کہ کفار و فجار کے ساتھ بھی یہی ہے، تو اندازہ لگائیے کہ جس گروہ یا جس فرد نے للہ ورسول پر ایمان لانے کے بعد اپنا سب کچھ ان کی مرضی کے لیے قربان کیا ہو اور اپنے ایک ایک قدم اور ایک ایک سانس میں اللہ تعالی اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کو وظیفۂ زندگی بنایا ہو، جن کے مقام اخلاق اور عدل وانصف کی شہادتیں دشمنوں نے بھی دی ہوں ، ان کے متعلق اسلام کا عادلانہ قانون اس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ ان کی مقدس ہستیوں کو بدنام کرنے اور ان پر الزامات لگانے کی لوگوں کو چھوٹ دے دے کہ کسی غلط سلط روایت و حکایت سے بلا تنقید تحقیق ان کو مجروح قرار دے دیا جائے۔" (مقام صحابہ :۱۲۱-۱۲۲)

حضرت مولانا سلمان منصورپوری زید مجدہ سے کسی غیر محتاط واعظ کی بیان کردہ ایک روایت کے متعلق سوال کیا گیا (جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا کہ دس ہزار آدمی کھا کر فارغ ہو جاتے ، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھاتے ہی رہتے کہ جبڑوں کی نسیں تن جاتیں) اس کے متعلق مولانا منصورپوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

" جو بات کہی گئی کہ حضرت معاویہ رضی للہ عنہ کے دسترخوان پر دس ہزار آدمی کھانا کھا لیتے اور

آپ کھاتے ہی رہتے ؛ تا آں کہ جھاڑے کی نسیں تن جاتیں" وغیرہ، یہ بات ہماری نظر سے کہیں نہیں گزری ہے ، بظاہر یہ خلافِ واقعہ اور مبالغے پر مبنی ہے اور ایک صحابی رسول کی تنقیص ہے، جس کو بیان کرنے سے احتراز لازم ہے ۔" (کتاب النوازل:۴/۳۱۵)

اب غور کیا جائے کہ جب ایک معمولی سی ناشائستہ بات، جو شانِ صحابہ کے مناسب نہیں ہے، ایسی بات بھی رسول کریم ﷺ کے صحابی کی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کی جاسکتی ہے، تو ارتکابِ کبیرہ کی بات اور وہ بھی ٹھوس و پختہ ثبوت کے بغیر کیسے گوارا کی جاسکتی ہے؟ خصوصاً اس وقت تو کسی قیمت پر برداشت نہیں کی جاسکتی ، جب کہ جمہور ائمہ اور محدثین کے نزدیک اس روایت کا راوی ضعیف و متروک اور متہم ہو اور اس کی یہ روایت نصوصِ قرآن و سنت اور اجماع و نقلِ صحیح کے خلاف ہو۔

ایک بات جو کہ قابلِ غور و قابلِ بیان ہے، بتادوں کہ علمائے امت واہلِ سنت کی نظر میں حضرات صحابہ کا مقام و مرتبہ اتنا اعلیٰ و ارفع اور اتنا معظم و مقدس ہے کہ ان کی شانِ عالی میں کسی بھی طرح کی ادنیٰ تنقیص ، چاہے کسی سے بھی ہو برداشت نہیں ، چاہے وہ کوئی بھی ہو، حتیٰ کہ اہلِ سنت والجماعت کے ئمہ میں سے ہو اور یقین سے معلوم ہو کہ وہ امام ہرگز ہرگز کسی صحابی کی تنقیص نہیں کر سکتے لیکن ایسے جلیل القدر ائمہ عظام وصلحائے کرام سے بھی ایسی بات اگر سرزد ہوگئی ، جو صحابہ کے مقامِ تقدیس کے مناسب نہ ہو، تو اس کو بھی علمائے حق کے سینوں نے برداشت نہیں کیا۔ اس پہلو سے علمائے امت کا کردار و نمونہ پیش کرتا ہوں ، جو کہ بے حد مفید ہے۔ ملاحظہ ہو:

حافظِ حدیث امام ابن عبدالبر رح امام اہلِ سنت ہیں اور عبقری شخصیت ہیں؛ لیکن جب انھوں نے اپنی کتاب "الاستیعاب " میں حضرات صحابہ کی شان میں کچھ غیر مستند روایات ذکر کردیں، تو علمائے امت نے شدید اعتراض و تنقید کرنے کو ضروری سمجھا ، چنانچہ "مقامِ صحابہ" صفحہ ۳۹ میں متعدد ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"حافظ حدیث امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو معرفت صحابہ کے موضوع پر اپنی بہترین کتاب : "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" لکھی ، تو علمائے امت نے اس کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا، مگر اس میں مشاجرات صحابہ سے متعلق کچھ غیر مستند تاریخی روایات بھی شامل کر دیں ، تو عام علمائے امت اور ائمہ حدیث نے اس عمل کو اس کتاب کے لیے ایک بدنما داغ قرار دیا۔
اسی طرح "تقریب" جو کہ فنِ رجال کی ایک عظیم کتاب ہے، جس میں حدیث کے بے شمار راویوں کے متعلق توثیق و تضعیف کے اقوال مذکور ہیں، ایسی کتاب میں حضرات صحابہ کا ذکر آگیا ، اگرچہ ان کی توثیق و تعدیل ہی کی گئی ہے، کوئی جرح نہیں کی گئی ، مگر چوں کہ قابلِ کلام راویوں کے ذکر کے ساتھ حضرات صحابہ کا ذکر ہو گیا، تو علمائے امت کے دلوں نے اس کو بھی برداشت نہیں کیا اور امیر المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے اس اسلوب کو نادر اور غیر مناسب عمل قرار دے دیا، چنانچہ "تقریب" پر شیخ بشار عواد معروف اور شیخ شعیب ارنووط کا جو مقدمہ ہے ،اس میں لکھا ہوا ہے:

"والحق المر الذي لا بد لنا أن نبديه وننبه إليه أن صنيع الحافظ ابن حجر في هذا الكتاب لم يكن يتناسب مع الشهرة العريضة التي نالها، والمنزلة العلمية التي تبوأها. فالصحابة لا يحتاجون إلى أن يقال فيهم شيء؛ لأنهم عدول. (مقدمة تحرير تقريب التهذيب: ۱۷/۱)

یعنی ایک کڑوا سچ ہے ، جس کا اظہار کرنا اور جس پر متنبہ کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، وہ یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ کتاب باجود یہ کہ شہرہ آفاق اور علمی دنیا میں مقام بلند پر فائز ہے؛ تاہم اس کتاب میں حافظ ابن حجر کا طرز بیان غیر مناسب ہے ، اس لیے کہ اس میں حضرات صحابہ کا ذکر آ گیا ہے، حالاں کہ صحابہ وہ عظیم شخصیت ہیں ، جن کے متعلق کچھ کہنے کی بالکل بھی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ یہ حضرات اصحاب امانت و دیانت ہی ہیں۔

عدالت صحابہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت قرآن ، سنتِ متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے ۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اپنی لا جواب کتاب: "حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق" صفحہ 43 پر ذکر فرماتے ہیں:

"ہماری نظر میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر اُس ضعیف روایت کو رد کر دیا جائے گا ، جس سے کسی صحابی کی ذات مجروح ہوتی ہو، خواہ وہ روایت تاریخ کی ہو، یا حدیث کی ... اس لیے کہ بقول حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ صحابہ کی عدالت قرآن ، سنتِ متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی بات ضعیف روایات کے بل پر ثابت نہیں کی جاسکتی ۔"

ایک اور مقام صفحہ 133 پر حضراتِ صحابہ کے تئیں اہل سنت و الجماعت کے عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"کیا کسی صحابی رسول پر گناہ کبیرہ کا لزام عائد کرنا اتنی معمولی بات ہے کہ س کے کہنے والے کے بارے میں تحقیق کرنے کی اجازت بھی نہ دی جائے کہ وہ کون تھ ؟ اس کے عقائد کیسے تھے؟ اور وہ جھوٹا تھا یا سچا ؟ یہ بات صرف عقیدت و محبت کی بنیاد پر نہیں کہی جا رہی ؛ بلکہ یہ عقل کا فطری تقاضا ہے کہ جس شخص کی زندگی میں مجموعی طور سے خیر غالب ہو، اس پر کسی گنہ کبیرہ کا الزام اُس وقت تک درست تسلیم نہیں کیا جائے ، جب تک کہ وہ مضبوط اور قوی دلائل سے صحیح ثابت نہ ہو چکا ہو، صحابہ کرام کا معاملہ تو بہت بلند ہے ۔"

اللہ تعالی شیخ الاسلام دامت برکاتہم کو لمبی عمر دے کیا بات فرمائی ہیں۔نیز ایک اور مقام صفحہ 139 پر عقائد و علم کلام کی مستند ومعتمد متعدد کتابوں کے حوالے سے بڑی زبردست بات تحریر فرماتے ہیں:

"اہل سنت کی لکھی ہوئی عقائد و کلام کی تمام کتابیں پڑھ جائے ، وہ اول سے آخر تک اس معاملے میں ایک زبان نظر آئیں گی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کسی گناہ کا صدور خالصۃً عقائد کا مسئلہ ہے اور اس کا اثبات ضعیف، مجروح ، منقطع یا بلاسند تاریخی روایتوں سے ثابت نہیں ہوسکتا، خاص طور سے مشاجرات صحابہ رض کے معاملے میں اس اصول کی بڑی شدت کے ساتھ پابندی کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ بقول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ، حضرت عثمان غنی ﷺ کی شہادت کے بعد سبائی پروپیگنڈے کے اثر سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بے بنیاد تہمت طرازیوں کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔"

اب مزید ایک عبارت نقل کرتا ہوں جس میں تمام اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کی گئی ہے چنانچہ شیخ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ " المستصفی : 1/164 " میں رقم طراز ہیں :

"والذی علیه سلف الأمة،وجماهیر الخلق أن عدالتهم معلومة بتعديل الله-عز وجل-إياهم، وثنائه علیهم فی کتابه.فهو معتقدنا فیهم .إلا أن یثبت بطریق قاطع ارتکاب واحد لفسق مع علمه به،وذلك مما لا یثبت فلا حاجة لهم إلى التعديل."

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

اکابر کا باغی کون؟

اپنے اسلاف و اکابر سے بغاوت صدائے گنبد کی طرح ہے جیسا کہوگے ویسا سنوگے۔آج اگر آپ نے اپنے اسلاف سے بغاوت کی تو کل تمہارے اخلاف اور چھوٹے آپ کے نظریئے اور ارشادات کے باغی ہوں گے۔ عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب نے اکابر علماء دیوبند کے اجماعی و اتفاقی عقیدہ کے خلاف ایک غلط مؤقف اختیار کیا اور اپنے اس مزعومہ نظریہ کے لیے دن رات اکابر دیوبند پر گالیوں اور بدتہذیبی کی بوچھاڑ شروع کی۔ کبھی "المہند تو صحیفہ آسمانی نہیں" کہہ کراس کا استہزاء و مذاق اڑایا تو کبھی آب حیات کو جوتیوں میں پھینکا۔ اسی طرح نیلوی شاہ صاحب نے کبھی جمہور کو زنبور اور بلال بن حارث لمزنیؓ کو جنگلی کہہ کر حادیث سے انکار کیا تو کوئی اٹھا اس نے بخاری شریف کو قرآن کے مقابل کھڑا کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ کو یہودیت کا ایجنٹ قرار دیا۔
خیر یہ ایک لمبی داستان ہے۔آتا ہوں موضوع کی طرف۔ کہ کل عنایت للہ شاہ گجراتی نے اکابر علماء دیوبند سے عقیدہ میں بغاوت اختیار کی تو آج اس کے جماعت کے مماتی حضرات ان کے فتویٰ کو نہیں مانتے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں۔

بغاوت نمبر 1:

جامعۃ الامام محمد طاہر پنج پیر کے ایک فاضل شمس الامین نامی مماتی نے مسئلہ حیات پر ایک کتاب لکھا ہے اور نظرثانی اس پر مماتیوں کے مشہور گالی باز اور بدتہذیبی میں نمبرون، آج تک باضابطہ ایک مناظرہ نہیں کیا اور سلطان المناظرین بن بیٹھا ہے، مفتی توصیف صاحب نے کیا ہے۔
تو شمس الامین مماتی نے اپنے اس کتاب میں عنایت اللہ شاہ گجراتی کا ایک فتویٰ دربارۂ حیات نقل کیا ہے آئیں دیکھتے ہیں کہ اس پر مماتی عمل کرتے ہیں یا اس کاانکار کرکے گجراتی صاحب کے باغی بن جاتے ہیں۔
مماتی صاحب نے عنوان "مسلک اشاعت التوحید والسنۃ" قائم کرکے لکھا ہے کہ

> "سب سے پہلے میں سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کا فتویٰ پیش کرتا ہوں ، انبیاء علیہم السلام کے موت کے ذکر کے بعد فرمایا :
> اور اس عالم دنیا سے انتقال کے بعد آنحضرتؐ کوعالم برزخ میں مثل شہداء بلکہ شہداء سے بھی اعلیٰ وارفع حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی ہے وہ حیات دنیویہ نہیں ہے بلکہ اس سے بدرجہا اعلیٰ وارفع اجمل وافضل

حیات برزخیہ ہے نہ کہ حیات دنیویہ لیکن اگر کوئی اس حیات کو حیات دنیوی کے نام سے تعبیر کریں اور آپ ؐ کی حیات برزخیہ سے نکار نہ کریں تو اس کو اہل السنت والجماعت سے خارج نہیں کرنا چاہیے
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصا سیدالانبیاء کو بعدالموت سب سے اعلی وارفع واجمل وافضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی ہے یہ جمہور اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اس پر کتاب اللہ ،احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہؓ شاہد ہے۔
عنایت اللہ شاہ بخاری عفی عنہ ،مسجد جامع گجرات۔ اس جواب اور فتویٰ پر پچاس حضرات کے دستخط ہیں اور تصدیق کا عنوان یہ ہے جواب صحیح ہے۔
(تعلیم القرآن ماہ جولائی ،اگست 1960 بحوالہ حیات الانبیاء میں مسلک اعتدال صفحہ 45 مؤلف شمس الامین بدعا شیخ العلامہ محمد طیب طاہری، امیر مرکزیہ)

تبصرہ :
عنایت اللہ شاہ گجراتی کے اس فتویٰ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضورﷺ کے حیات برزخیہ کو اگر کوئی حیات دنیوی کہہ دیں تو وہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ جبکہ آج کل کے مماتی گجراتی صاحب کے اس فتوی اور موقف کے باغی ہے۔ حیات دنیویہ والوں کو بدعتی ، مشرک اور پتہ نہیں کیا کیا القابات سے نوازتے ہیں۔ فلھذا اکابر کے باغی آپ ہیں نہ کہ ہم۔

بغاوت نمبر 2:

مرکز پنج پیر کے بانی مبانی اور موجودہ میر کے والد محترم مولانا محمد طاہر مرحوم کے متعلق اشاعت کے مشہور قلم کار " میاں محمد الیاس" رقم طراز ہے کہ

> " مولانا بحث ومباحثہ اور مجلس مناظرہ میں بڑی حکمت اور دانشمندی کے ساتھ فریق ثانی کو ایک مشترکہ ثالث پر لے آتے اور وہیں سے اپنا موقف اور اپنے دلائل شروع کرتے وہ اپنی بات مکمل کرکے فریق ثانی سے منوا کر لکھوا بھی لیتے۔ مولانا سعیداللہ موضع کالو خان نے ایک مناظرے کا حال اس طرح لکھا ہے
> "کالو خان میں حضرت شیخ کی آمد پر مناظرہ طے پا گیا اور فریقین ہمارے محلہ بازید خیل کی مسجد میں جمع ہوئے ۔طے پایا کہ تمام متنازعہ امور پر بحث ہوگی ۔فریق ثانی کی طرف سے جامع مسجد کی خطیب مولانا عبدالقیوم مناظر مقرر ہوئے۔شیخ نے خطیب صاحب سے پوچھا کہ آپ نے کہاں سے تعلیم حاصل کی ہے ؟
> انہوں نے جواب دیا کہ فاضل دیوبند ہوں۔ شیخ نے فرمایا الحمدللہ پھر تو ہمارا فیصلہ آسان ہوگیا۔ ہم

دونوں دیوبندی ہے اور ہمارے اکابر علماء دیوبند ہمارے ثالث ہوں گے ۔کیوں خطیب صاحب ! آپ علمائے دیوبند کے فتاوی تسلیم کریں گے نا! خطیب صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں وہ ہمارے استاد ہیں۔ سب سے پہلے حیلہ اسقاط پر بحث ہوئی ۔خطیب صاحب نے شامی کا حوالہ دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ علامہ شامی حضرت گنگوہی رح کا ہم عصر ہے ور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ہمارے استاد ہیں اور استاد کا حق فائق ہوتا ہے ۔آپ نے فتاویٰ رشیدیہ نکال کر جرگہ کے سردار کے ہاتھ میں پکڑا دی اور کہا پڑھو۔ اس نے پڑھ کر سنایا کہ حیلہ اسقاط چند مولویوں کا زینہ ہے اوربدعت ہے ۔ خطیب صاحب نے تسلیم کرلیا کہ اس کو سب بدعت کہتے ہیں ۔" (مولانا محمد طاہر اور ان کی قرآنی تحریک 181/182)

مندرجہ بالا وقعہ سے دو باتیں روز روشن کی طرح واضح ہوئیں

1: مولانا طاہر کا جب فریق اور خصم کے ساتھ مناظرہ ہوتا اور دونوں کا منسوب الیہ یک ہوتا تو دونوں کے درمیان فیصلہ منسوب الیہ کے عبارات سے ہوتا۔
2: رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کو مولانا طاہر نے اپنا استاد کہا اور استاد کاحق فائق ہوتا ہے تسلیم کرلیا۔

اب جائزہ لیں کہ مماتی مولانا طاہر کے دونوں باتوں کو مانتے ہیں یا ان کے باغی ہیں۔
پہلی بات مماتی بھی کہتے ہیں کہ ہم دیوبندی ہیں اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم دیوبندی ہیں لہذ دونوں فریق کا منسوب الیہ یعنی اکابر علماء دیوبند ایک ہیں لہذ عقیدہ حیات النبی ، سماع الموتی ، سماع عند قبر النبی ، استشفاع ، مسئلہ توسل ، عذاب قبر اور ثواب قبر ، زمینی اور ارضی قبر ان تمام مسائل کے حل کے یے مولانا طاہر کے طرز پر آجائیں اور اکابر دیوبند کے عبارات پر فیصلہ کرتے ہیں لیکن مماتی قیمت تک نہیں آتے بلکہ اس طرز کو کابر پرستی کہتے ہیں اور ان کی زعم میں یہ شرک ہے لہذا مولانا طاہر ان کی زعم میں اکابر پرست ہوکر مشرک مرا ہے۔
دوسری بات کہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ہمار استاد ہے اور استاد کا حق فائق ہوتا ہے۔ جبکہ

1: سعید احمد ملتانی کے متعلق ماہنامہ نعرہ توحید کے مدیر پروفیسر افضل ضیاء لکھتے ہیں کہ

" قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ پر فتویٰ کفر لگاتے ہوئے کہا "خواہ کوئی گنگوہی ہو یا جنجوہی "۔(خس کم جہان پاک 73)

نوٹ: احمد سعید ملتانی کو برائے نام نکالا ہے پچھلے سال سالانہ اجتماع پر اس کے بیٹے کو بیان کے لیے مدعو کیا گیا تھا اور ابھی ملتانی کے شاگرد سجاد الرحمن ملتانی کو مدعو کیا تھا۔

2: اشاعت کے ایک نامور محقق عبدالوکیل نامی شخص حضرت مام ربانی رحمہ اللہ پر یہودی کا فتویٰ لگاتے ہوئے

لکھتے ہیں کہ

"ویقول کبیرھم فی حق وحدۃ الوجود۔۔۔۔اناللہ وانا الیہ راجعون یاأیھا الاخوان فاسمعوا الی ھذہ الھفوات والخرافات ما الفرق بینھم وبین اھل التناسخ والثنویۃ وھل ھذا الادین النصاری والیھود" (تحفۃ الاشاعۃ 300/301)

ترجمہ : ور ان کاایک بڑا وحدۃ الوجود کے حق میں لکھتا ہے ۔۔۔انااللہ واناالیہ راجعون اے بھائیوں! ان بکواسات اور خرافات کو دیکھو۔ ہندوں ، بت پرستوں اور ان میں کیا فرق ہے کیا یہ یہود ونصری کا دین نہیں۔

تبصرہ :
مولانا طاہر مرحوم امام ربانی رشید احمد گنگوہی رحمہ للہ کو اپنا استاد کہتے ہیں اور ان کا حق فائق تسلیم کرتے متنازع مسائل میں ان کے عبارات کو حجت اور دیلی کے طور پر پیش کرتے ۔جبکہ آج کل کے مماتی حضرت گنگوہی رح پر فتوی کفر ، یہودی اہل تناسخ وغیرہ القابات سے نوازتے ہیں سذا قارئین فیصلہ کریں کہ اکابر کے باغی کون ہیں؟

"رحمت کائنات" پر اشکال کا جواب

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ نے ایک کتاب بنام "رحمت کائنات" تصنیف فرمائی ہے بارگاہ رسول میں مقبول کتاب ہے ۔اس پر مماتی ایک اشکال کرتے ہے کہ یہ کتاب خوابوں سے بھرا پڑا ہے گویا خواب نامہ ہے؟

جواباً عرض ہے کہ " قرآن پاک میں سورہ یوسف میں موٹی اور تپلی گائے ور ست سال قحط والے خواب کا ذکر ہے ۔اسی طرح جیل جانے کا خواب بھی قرآن میں موجود ہے۔ یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھنے ول خواب بھی اور ابراہیم عیہ اسلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھنے وال خواب بھی موجود ہے"۔

اب اگر کوئی عیسائی یا یہودی ان خوابوں کو اٹھاکر کہے کہ اے مماتیوں! یہ کیسا قرآن ہے پھرتے ہو جس میں سارے خواب نامے ہیں۔تو تم کیاجواب دوگے؟ماھو جوابکم فھو جوابنا

محترم ابوسعد لئیق رحمانی صاحب قسط: ۱

محاسبہ دیوبندیت پر ایک نظر

سلطان العلماء امام المناظرین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی لاجواب کتاب، کتاب مستطاب ''مطالعہ بریلویت'' نے ایوان رضاخانیت میں جو زلزلہ برپا کیا اہل علم حضرات سے مخفی نہیں۔ اب تک ''مطالعہ بریلویت کا جواب'' کے نام پر مختلف گوشوں سے کئی ''گالی نامے'' اور ''دجل نامے'' منظر عام پر آچکے ہیں، ان گالی ناموں و دجل ناموں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ خالد محمود کے ''مطالعہ'' نے جو دھماکہ کیا تھا اس کے اثر سے سگانِ رضا کے اوسان خطا ہو گئے ہیں۔ اس کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں!

مثال نمبر 1:

حضرت علامہ رحمہ اللہ "مطالعہ بریلویت" جلد اول صفحہ ۱۳۱ پر لکھتے ہیں:

> ''حضرت شاہ کرامت علی جونپوری ہندوستان کے مایہ ناز روحانی بزرگ تھے، بنگال میں لاکھوں مسلمان آپ کے اور آپ کے خلفاء کرام کے ہاتھوں پر تائب ہوئے اور ایک خلق کثیر نے آپ سے روحانی فیض پایا''۔

یہاں ''لاکھوں مسلمان تائب ہوئے'' سے مراد بے عمل مسلمانوں کا اعمال بد سے توبہ کرکے نیک بننا ہے۔
اب اس کے جواب میں مولوی حسن علی رضوی کی سنیئے اور اس کے دماغی کیفیت کا اندازہ کیجئے لکھتا ہے:

> ''پہلی بات تو یہ ہے کہ مانچسٹروی صاحب نے اکابر دیوبند کی محبت میں مستغرق ہوکر عالم بے خودی میں یہ لکھا ہے۔ "لاکھوں مسلمان آپ کے اور آپ کے خلفاء کرام کے ہاتھوں پر تائب ہوئے'' حالانکہ کافر مشرک یہودی عیسائی مسلمانوں کے ہاتھوں پر تائب ہوتے ہیں مگر مانچسٹروی صاحب اکابر دیوبند کے نیز مند کرامت علی کے ہاتھوں پر لاکھوں مسلمانوں کو تائب کروا رہا ہے بتایا جائے کہ وہ لاکھوں مسلمان تائب ہونے کے بعد دیوبندی وہابی ہو گئے تھے یا سکھ عیسائی بن گئے تھے''۔(محاسبہ دیوبندیت: ج ۱، ص ۳۹۳ _ ۳۹۴)

رضوی صاحب!
آپ کی بات سے تو لگ رہا ہے کہ آپ خود کافر مشرک یہودی عیسائی کی محبت میں مستغرق ہوکر عالم بےخودی میں قلم چلا رہے ہیں ۔ علامہ خالد محمود تو بے عمل مسلمانوں کا بد اعمالیوں سے تائب ہونا بتا رہے ہیں مگر آپ کی

رضاخانی عقل اسے اسلام و ایمان سے تائب ہونا سمجھ رہی ہے، تو بتائیے کہ کون کس کی محبت میں مستغرق ہو کر بہکا؟ اور کس کا قلم عالم بے خودی میں چل رہا ہے؟

مثال نمبر 2:

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”آپ نے (یعنی مولانا کرامت علی جونپوری نے) حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحیٔ دہلوی کی زیارت کی تھی اور اردو اچھی طرح سمجھتے تھے ان حضرات کی تحریریں آپ کے سامنے تھیں، ان میں کوئی پہلو اسلام کے خلاف ہوتا تو اتنے بڑے بزرگ کبھی خاموش نہ بیٹھتے“(ص ۱۳۱ _ ۱۳۲)

اس کے جواب میں مولوی حسن علی رضوی کی ذہنی الجھن اور بوکھلاہٹ ملاحظہ ہو، لکھتا ہے کہ:

”مانچسٹروی صاحب کھلا دھوکہ نہ دو عوام کی آنکھوں میں دھول نہ ڈالو سیدنا اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اور علماء حرمین شریفین کا فتویٰ حسام الحرمین ۱۳۲۴ھ میں صادر ہوا اور اس کے بعد چھپا اعلیحضرت علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۲۷۲ھ /۱۸۵۴ء میں ہوئی ۵۲ سال بعد یہ فتویٰ ۱۳۲۴ھ یعنی ۱۹۰۸ء میں منظر عام پر آیا اور آپ کے مولوی کرامت علی جونپوری جو بقول آپ کے مولوی اسماعیل قتیل دہلوی کی زیارت سے مشرف تھے اور اسماعیل دہلوی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں ٹھکانے لگے تو انہوں (یعنی کرامت علی) نے آخری دن بھی قتل ہونے سے دو منٹ پہلے اسماعیل دہلوی کی زیارت کی ہو تو ۱۸۳۱ء مرنے کی تاریخ سے حسام الحرمین کے فتویٰ ۱۹۰۸ء تک کم از کم ستتر (۷۷) سال ضرور بنتے ہیں تو اسمٰعیل دہلوی کی زیارت کرنے والے کرامت علی صاحب نے ۷۷ سال پہلے جب نہ ابھی گستاخانہ کتابیں چھپی تھیں نہ کفریہ عبارات منظر عام پر آئی تھیں نہ کفریہ عبارات پر فتویٰ حسام الحرمین جاری ہوا تھا۔ یہ کیسے دیکھ لیا کہ ان عبارات میں اسلام کے خلاف کوئی پہلو نہیں ہے؟ کیا پوری دنیا کی عقل ماری گئی ہے وہ تمہاری اس جعلسازی کو نہیں سمجھ سکتی“(محاسبۂ دیوبندیت: ج ۱، ص ۳۹۴)

رضاخانی جی!

پوری دنیا کی عقل تو نہیں ماری گئی لیکن آپ کے اس جواب کو پڑھ کر ہمیں کامل یقین ہوگیا ہے کہ مطالعہ بریلویت نے آپ کی عقل ضرور مار دی ہے۔ ویسے آپ کا ڈھیٹ پن قابل دید بلکہ لائق داد ہے، دھوکا دجل میں اپنے امام احمد رضا خان بریلوی سمیت تمام رضاخنیوں کو چاروں خانے چت کر ”ورلڈ چیمپئن“ بن گئے اور علامہ خالد محمود سے کہتے ہیں کہ: ”کھلا دھوکا نہ دو عوام کو“ ویسے آپ کو ”نوبل پرائز برائے دھوکا دجل“ ضرور ملنا چاہئے کہ بھلے ہی آپ اردو میں لکھی ہوئی آسان سی بات سمجھ نہ سکے مگر اس کا ذمہ دار علامہ خالد محمود کو ٹھہرا کر تیس مار خاں بن گئے۔

محترم قارئین!

علامہ خالد محمود صاحب کی گفتگو صرف اور صرف شاہ شہید اور مولانا عبدالحیؒ سے متعلق ہو رہی تھی مگر رضاخانی کی ماری گئی عقل نے اسے مولانا گنگوہی حضرت نانوتوی حضرت تھانوی وغیرہم سے جوڑ دیا۔ طرفہ یہ کہ موصوف کو خان صاحب کی پیدائش سے لے کر شاہ شہید کی شہادت تک کے سنین تو یاد رہے مگر علامہ کی جس بات کا رد کرنا تھا وہ دماغ سے نکل گئی۔ نکل گئی یا جان بوجھ کر نکال دی گئی اس کی وضاحت رضاخانی کو کرنا ہے۔

رضاخانی جی! ایک مرتبہ زرا تنہائی میں بیٹھ کر اپنے اس جواب کو غور سے پڑھ کر دیکھئے کہ آپ نے جواب دیا ہے یا اپنے ہی پیٹ میں چھرا گھونپ لیا ہے۔ لیکن آپ کی تو عقل ہی ماری جاچکی ہے کیا خاک غور کریں گے؟ چلیں ہم ہی بتا دیتے ہیں آپ نے کیا گل کھلایا ہے۔ (ڈریئے مت قابل تعریف کام کیا ہے)

جناب! آپ نے لکھا ہے کہ

"......اسماعیل دہلوی کی زیارت کرنے والے کرامت علی صاحب نے ۷۷ سال پہلے جب نہ ابھی گستاخانہ کتابیں چھپی تھیں نہ کفریہ عبارات منظر عام پر آئی تھیں...."

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے نزدیک شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتب یا ان کی جانب منسوب کتابیں ایضاح الحق، صراط مستقیم، تقویت الایمان، رسالہ یک روزی، وغیرہ میں گستاخی نہیں تھیں۔ یہی بات علامہ خالد محمود بھی سمجھانا چاہ رہے تھے کہ شاہ شہید اور مولوی عبدالحیؒ کی تحریروں میں گستاخی صرف خان بریلوی اور اسکے ہمنواؤں کو ہی کیوں نظر آئی دیگر بزرگانِ دین کو کیوں نہ نظر آئیں؟ مگر آپ کا شکریہ کہ آپ نے بھی تسلیم کرلیا کہ واقعی شاہ شہید و عبدالحیؒ کی تحریروں میں گستاخی نہیں تبھی تو آپ اتنی صراحت سے لکھ رہے ہیں کہ شاہ شہید کی شہادت تک نہ گستاخانہ کتابیں چھپی تھیں نہ کفریہ عبارات منظر عام پر آئی تھیں۔ اچھا آپ کے اس قول سے دہلی مناظرے کے حوالے سے گھڑی گئیں کہانیاں، فضل حق کا فتویٰ کفر، تقویت الایمان کے رد میں سینکڑوں کتب کے دعوے، سب کالعدم قرار پائے۔مبارک ہو!

موصوف اگر مطالعہ بریلویت کے جواب میں دو چار جلدیں اور لکھ لیتے تو شاید حسام الحرمین کو بھی دریا برد کر دیتے۔ رضاخانیوں دیدہ پھاڑ کر دیکھو کرامت اسے کہتے ہیں۔

جو آنکھیں کھول کر دیکھے تو یہ معلوم ہو تجھ کو
رضا خودکش دھماکہ کر گیا خود ہی بریلی میں

حسن علی کم عقل و بدفہم ہے:

محترم قارئین! علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی آسان اردو زبان میں لکھی ہوئی عبارتیں مسٹر حسن علی رضاخانی کو سمجھ نہیں آئی، اب اس پر مولوی مظفر حسین رضاخانی کیبنٹ کا فیصلہ یہ ہے کہ جو آسان اردو عبارت نہ سمجھ سکے وہ "کم عقل و بدفہم اور اردو زبان سے بھی نابلد ہے" چنانچہ لکھتے ہیں:

"آسان اردو عبارت کو نا سمجھ کر جہاں دیوبندی موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کم عقل و بد فہم ہے اس کے ساتھ یہ بھی ثبوت دیا ہے کہ وہ اردو زبان سے بھی نابلد ہے"۔ (کشف القناع: ج ا، ص 346)

حسن علی رضوی آگے مولانا کرامت علی جونپوری رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"سید احمد ساکن رائے بریلی کے مرید ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مولوی اسمٰعیل قتیل کے پیر بھائی تھے۔ بھلا وہ اپنی ذریت پر کس طرح فتویٰ دیتے؟" (محاسبہ دیوبندیت: ج ا، ص ۳۹۵)

حالانکہ رضاخانی مفتی محمد امین صاحب والد سعید اسعد رضاخانی لکھتے ہیں:

"مولانا کرامت علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ" (عقیدہ ختم النبوۃ: ج ۷، ص ۱۲

جبکہ رضاخانی شارح بخاری شریف الحق امجدی لکھتے ہیں کہ:

"کسی کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والا اسے ولی نہیں تو کم از کم مسلمان جانتا ہے"۔ (فتاوی شارح بخاری: ج ۳، ص ۵۵۴)

اب مفتی امین صاحب نے مولانا کرامت علی جونپوری کو "رحمۃ اللہ علیہ" ولی سمجھ کر لکھا ہے یا مسلمان؟ اس کی وضاحت رضاخانی کے ذمہ ہے!
رہا یہ کہنا کہ مولانا کرامت علی "اپنی ذریت پر فتویٰ کس طرح دیتے؟" تو جواباً عرض ہے کہ اس ولی اللہ (یا کم از کم مسلمان) نے شاہ شہید کی تحریروں میں کوئی بات خلاف اسلام نہیں پایا تو فتوی کیوں دیں؟ یہاں علامہ خالد محمود کا مدعا یہی ہے۔
قارئین کرام!
آپ نے دیکھا کہ مطالعہ بریلویت کے جواب سے رضاخانیت کس قدر عاجز آچکی ہے؟ الحمدللہ ابھی تو صرف دو مثالیں پیش کی گئی ہیں اس قسم کی درجنوں مثالیں سینکڑوں لطیفے، ریکارڈ توڑ دجل و فریب اور اکاذیب و خیانت کے علاوہ مطالعہ بریلویت کا جواب لکھنے کے چکر میں اپنے ہی مذہب کا انکار صفحہ قرطاس پر آن پڑا ہے۔ (جاری)

طاہر گل دیوبندی

قسط: ۲

مفتی محمد حسین نیلوی صاحب کے عقائد و نظریات

(پہلی قسط میں ہم نے مماتی مولوی مفتی محمد حسین نیلوی صاحب کے چند عقائد پر گفتگو کی تھی سی سلسلے کو آگے بڑھتے ہوئے اس قسط میں ہم نیلوی صاحب کے چند دیگر گمراہ کن عقائد و نظریات ان کی کتابوں سے نقل کریں گے۔)

قبر میں حیات (اعادہ روح اور تعلق روح مع الجسد) کا انکار:

نیلوی صاحب میت کے لئے بعد الوفات قبر میں حیات کا بھی منکر ہے چاہے وہ عام لوگوں کی حیات ہو یا انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہو۔

عام لوگوں کیلئے حیات فی القبر کا انکار:

نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 246 پر لکھتے ہیں

"تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی ہیں روح کا بدن کے ساتھ تعلق ۔ اور قبر میں روح کا بدن کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ اس حیت کا تعلق بدن عنصری سے نہیں ہے بلکہ روح میں ادراک و شعور قائم رہنے کو مجازی طور پر حیت کہتے ہیں۔ بہر حال اس بدن عنصری میں حیات نہیں ہوتی"

انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے حیات فی القبر کا انکار:

نیلوی صاحب جہاں عام لوگوں کیلئے موت کے بعد قبر میں حیات کے منکر ہیں وہاں انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی وفات کے بعد قبر مبارک میں حیت کا انکار کرتے ہیں چنانچہ اپنی کتاب "عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء و سماع موتی" کے صفحہ نمبر 122 پر لکھتے ہیں

"یہ کسی سلف کی کتاب میں نہیں کہ آپ کو قبر میں دفن کے بعد پھر سے روح جسد عنصری میں داخل ہو جاتی ہے یا روح کا تعلق جسد مطہر کے ساتھ ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ اور نہ ہی اس پر قرآن مجید کی آیت یا حدیث مشہور یا متواتر یا صحابہ کرام کے اقوال سے یہ چیز ثابت کی جا سکتی ہے"

اسی طرح نداء حق جلد 1 صفحہ 227 پر بھی عنوان لگایا ہے

"بلکہ انبیاء کرام کی ارواح طیبہ بھی ان کے اجساد عنصریہ کی طرف نہیں لوٹتیں"

نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 555 پر لکھتے ہیں

"باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین اور ئمہ مجتہدین کے ارشادات و اقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً و اثباتاً ذکر و اذکار ہے۔"

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ جاہلوں کی طرف سے خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک سبیل ہے (العیاذ باللہ)۔

نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 569 پر لکھتے ہیں

"بہر حال "حیات النبی " کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ جاہلوں کی طرف سے خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک سبیل ہے یا ان کی خوش فہمیوں کا نتیجہ۔ ورنہ یہ مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں۔ فللہ الحمد"

جسم کے لئے عذاب و ثواب سے صراحتاً انکار:

نیلوی صاحب قبر میں جسم کے لئے عذاب و ثواب کا بھی صراحتاً منکر ہے چنانچہ اپنے کتاب " عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء اور سماع موتی" کے صفحہ 30 پر لکھتے ہیں

"انسان اجزاء اصلیہ کا نام ہے اور جسم عنصری کے یہ اجزاء (ہاتھ، پاؤں، منہ، ناک، کان، پیٹ، دل، گردہ وغیرہ) اجزاء عرفیہ ہیں یہ اجزاء حقیقی اور اصلی اور ازلی نہیں ہیں"۔

چند سطور نیچے لکھتے ہیں

"تو اجزاء اصلیہ کو عذاب ہوتا ہے نہ ان اجزاء عرفیہ کو"۔

اب رہا یہ سوال کہ اجزاء اصلیہ کیا ہیں تو نیلوی صاحب اسی کتاب کے صفحہ 31 پر لکھتے ہیں

"وہ اجزاء اصلیہ اور ہی ہیں جو ابتدائے آفرینش سے مرتے دم تک انسان کے جسم عنصری میں محفوظ رہتے ہیں مرنے سے پہلے وہ اجزاء اصلیہ انسان سے کسی طرح جدا نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان کے جدا ہونے سے انسان انسان نہیں رہتا وہ مر جاتا ہے"۔

اسی صفحے کے آخر میں پھر لکھتے ہیں!

"الحاصل جزا سزا (عذاب و ثواب) انسان کو ہوتا ہے اور انسان نام ہے ان اجزاء اصلیہ مع الروح کا، نہ ان اجزاء عرفیہ کا جن کو عرف عام میں اجزاء کہتے ہیں"۔

نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 241 پر بھی لکھتے ہیں کہ

"ہمارا مدعا یہ ہے کہ اصل جزا سزا مرنے کے بعد جسد عنصری کو نہیں ہوتا جو اربعہ عناصر سے مرکب ہے"

نیلوی صاحب کے نزدیک انسان بدن محسوس نہیں اور بدن محسوس انسان نہیں چنانچہ لکھتے ہیں

"انسان بدن محسوس سے مغائر ہے"(نداء حق صفحہ 265 جلد 1)

صفحہ 291 پر لکھتے ہیں کہ

"حقیقی انسان وہ ذرہ ہی ہے جو قلب میں حلول کیے رہتا ہے اور جس میں کہ روح حلول کرتا ہے۔۔۔۔۔یہی ذرہ مع اس روح کے جو اس حلول کیے رہتی ہے تمام تکلیفات شرعیہ کا مخاطب ہے اس کا اعادہ کیا جائے گا اسی کو نعمت ملے گی اور اسی کو عذاب ہوگا"

صفحہ 310 پر لکھتے ہیں

"اس ڈھانچے یا اس کے کسی جزء کو ثواب عذاب پہنچنے کا قول محض مکابرہ ہے انسان تو اسی روح کا نام ہے اس کو ہی دکھ سکھ ضرور پہنچتا ہے"۔

یہ عبارتیں جسم عنصری کے لئے عذاب و ثواب کے انکار میں بالکل واضح اور صریح ہیں۔اب جسم چونکہ قبر میں ہوتا ہے تو لامحالہ جسم کے عذاب کا انکار کرنا عذاب قبر کا نکار ہے۔ اور عذاب قبر کا انکار بالاتفاق کفر ہے۔

کیا قبر کی زندگی (اعادہ روح یا تعلق روح مع الجسد) قرآن و حدیث سے ثابت نہیں؟

جواب: قبر کی زندگی (اعادہ روح یا تعلق روح مع الجسد) نصوص قرآن سے ثابت ہے۔ تفصیلی دلائل کے لئے درجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا۔
("تسکین الصدور"، "مقام حیات"، "تسکین الاذکیاء جدید نام تسکین الاولیاء"، "تسکین الاتقیاء"، "الحیات بعد الوفات یعنی قبر کی زندگی"، "القول المعتبر فی حیات خیر البشر"، "علماء دیوبند کا عقیدہ حیات النبی ؐ اور عطاء اللہ بندیالوی"، "اجماعی عقیدہ" اور "حیات النبی کورس" وغیرہ۔)

مختصراً ہم اپنے دعوے کو نیوی صاحب کی عبارات سے ثابت کرتے ہیں اور مماتی حضرات کو بھی دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ چنانچہ نیلوی صاحب اپنی کتاب "عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء اور سماع موتی" کے صفحہ 127 پر لکھتے ہیں

"ہم تو کافروں کی حیت کے بھی قائل ہیں۔ اگر ہم کفار کی حیات کے قائل نہ ہو تو عذاب قبر کا انکار لازم آتا ہے۔ حالانکہ عذاب قبر نصوص قرآن سے ثابت ہے اور اس کے منکر کو ہم کافر سمجھتے ہیں۔"

نیلوی صاحب کی عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

1۔ حیات فی القبر عذاب قبر کے لئے لازم ہے۔
2۔ عذاب قبر نصوص قرآن سے ثابت ہے۔
3۔ عذاب قبر کا منکر کافر ہے۔

جب قبر کی عذاب و ثواب کے لئے حیات فی القبر لازمی ہے تو اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ "حیت" کسے کہتے ہیں تو اس بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں

"تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی ہیں روح کا بدن کے ساتھ تعلق" (نداء حق جلد 1 صفحہ 246)

اب توجہ فرمائیں۔
مقدمہ نمبر 1:
عذاب قبر نصوص قرآن سے ثابت ہے۔اس کا منکر کافر ہے۔
مقدمہ نمبر 2:
عذاب قبر کے لئے حیات فی القبر لازمی ہے۔
مقدمہ نمبر 3:
حیات کے معنی ہیں روح کا بدن کے ساتھ تعلق۔
نتیجہ:
روح کا بدن کے ساتھ تعلق نصوص قرآن سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ابدان عنصریہ کیساتھ نہیں بلکہ مثالی اجسام کے ساتھ ہے:

نیلوی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کو وفات کے بعد ان اجسام مبارکہ کے ساتھ حیات نہیں ملتا بلکہ ان کو دوسرے مثالی اجسام ملتے ہیں چنانچہ نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 554 پر لکھتے ہیں

"صحیح مسلک یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان (یعنی انبیاء کرام علیہم اسلام۔ ناقل) کی ارواح کو ان کے عنصری

بدنوں کے ہم شکل اور مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام عطا کیے جاتے ہیں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عند القبر سماع صلوٰۃ و سلام کا انکار:

نیلوی صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کے بھی منکر ہیں بلکہ صحابہ کرام پر بھی انکار سماع کا الزام لگاتے ہیں چنانچہ نداء حق جلد 1 صفحہ 648 پر لکھتے ہیں

"صحابہ کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس سلام سن لیتے ہیں"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد محمد بن منکدر کو زبردستی سماع صلوٰۃ و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"آپ کی (یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی۔ناقل) وفات کا وقت مدینہ میں آگیا ان کا شاگرد کہنے لگا میرا سلام رسول اللہ کو عرض کر دینا۔(**فائدہ:** معلوم ہوا کہ آپ اپنی قبر کے پاس نہیں سنتے ورنہ آپ کا شاگرد محمد بن منکدر قبر مبارک پر کھڑے ہو کر براہ راست آپ کو سلام کہہ دیتا اور حضرت جابر بھی فرما دیتے کہ خود ہی قبر پر جا کر سلام کر۔ (مشکوٰۃ)"

تبصرہ: روایت میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک کے پاس پڑھے گئے درود شریف نہیں سنتے لیکن نیلوی صاحب نے بریکٹ میں "فائدہ" کے عنوان سے اپنا نظریہ ظاہر کیا۔

نیلوی صاحب کا مغالطہ:

نیلوی صاحب لکھتے ہیں

"قبر نبی کے سامنے کھڑے ہو کر سلام کہنے کے ساتھ جو آں حضرت کے سماع کے قائل ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی ایسا صحیح حدیث موجود ہے جس کی بنا پر وہ سماع عند قبر النبی کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مطلقاً سماع موتی کے قائل ہیں تو اس کلیہ میں انبیاء کرام بھی آجاتے ہیں یعنی جب دوسرے اموات سنتے ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام بھی سنتے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن عبد الھادی ہوں یا ابن حجر، سیوطی، نووی، عیاض ہوں یا شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ملا علی قاری وغیرہ ہوں سب سماع عند قبر النبی کے اس لئے قائل ہیں کہ وہ مطلقاً سماع موتی مانتے ہیں۔ اور جو سماع اموات کے منکر ہیں ان میں سے کسی نے انبیاء کرام علیہم السلام کے عند قبر النبی سماع کو مستثنیٰ نہیں فرمایا سب کے سب بلا استثناء انبیاء کے سماع اموات کے منکر ہیں"

(نداء جلد 2 صفحہ 85)

اس کا ازالہ:

نیلوی صاحب نے اس عبارت میں یہ تاثر دیا ہے کہ جو علماء کرام عام اموات کے سماع کے منکر ہیں وہ انبیاء کرام علیہم اسلام کے عند القبر سماع کے بھی منکر ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو مستثنیٰ نہیں فرماتے حالانکہ یہ نیوی صاحب کا ان علماء کرام پر صریح بہتان اور الزام ہے حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے عند القبر سماع کا کوئی بھی عالم انکار نہیں کرتا۔ ذیل میں ہم بطور نمونہ چند ایسے علماء کرام کے حوالے نقل کرتے ہیں جو نیلوی صاحب کے نزدیک عام موات کے سماع کے منکر ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انبیاء کرام علیہم اسلام کے سماع عند القبر کے قائل ہیں۔
نیلوی صاحب نے اپنی کتاب " عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء و سماع موتی" کے صفحہ 65 پر عنوان لگایا ہے کہ **«چودہ صدیوں میں عدم سماع موتی کے قائلین کے اسمائے گرامی»** اس عنوان کے نیچے نیوی صاحب نے بہت سے ایسے علماء کرام کے سمائے گرامی درج کی ہیں جو نیوی صاحب کے نزدیک سماع موتی کے منکر ہیں چند علماء کرام کے نام درجہ ذیل ہیں!

1. قطب الارشاد حضرت مولانا رشید حمد گنگوہی رحمہ اللہ علیہ (صفحہ 83)
2. حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (صفحہ 79،86)
3. حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (صفحہ 88)
4. میاں نذیر حسین دہلوی صاحب (صفحہ 87)

یہ حضرت نیوی صاحب کے نزدیک سماع موتی کے منکر ہیں اور انبیاء کرام علیہم اسلام کو بھی مستثنی نہیں فرماتے۔ جب کہ حقیقت اس کے خلاف ہے اور یہ سب علماء کرام رحمہم للہ انبیاء کرام علیہم اسلام کے عند القبر سماع کے قائل ہیں۔

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ عام اموات کے سماع کو مختلف فیہ قرار دیتے ہیں جبکہ انبیاء کرام علیہم اسلام کے بارے میں فرماتے ہیں

> "مگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنی کیا ہے ۔ (فتاوی رشیدیہ صفحہ 152)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

> "روضہ مبارک پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں ۔(امداد الفتاوی ج 5 ص 110)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب میں فرماتے ہیں

"سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا ہے تو دائما ثابت ہے"۔

فائدہ: نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کے بارے میں نیلوی صاحب کے استاد مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

" نشر الطیب بہت اچھی کتاب ہے وہ قابل پڑھنے کے ہے" (کفایت المفتی جلد 1 صفحہ 184)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔" (معارف الحدیث جلد 5 صفحہ 23 کتاب الاذکار والدعوات)

میاں نذیر حسین دہلوی صاحب:

میاں نذیر حسین دہلوی صاحب لکھتے ہیں

"اور انبیاء کرام علیہم الصوۃ والسلام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہے، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں" (فتاوی نذیریہ جلد 1 صفحہ 52 کتاب الایمان)

لطیفہ:

قارئین نیلوی صاحب نے نداء حق جلد 2 صفحہ 85 پر علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ سیوطی، قاضی عیاض، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ملا علی قاری رحمہم اللہ کو قائلین سماع الاموات میں شمار کیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن انہی حضرات کو دوسری جگہ منکرین سماع الاموات میں شمار کیا ہے حوالہ جات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (" عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء و سماع موتیٰ" صفحہ 82)

2۔ملا علی قاری رحمہ اللہ ("نداء حق" جلد 3 صفحہ 62،94 اور " عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء و سماع موتیٰ"صفحہ 74)

3۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (" عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء و سماع موتیٰ" صفحہ 79 اور "نداء حق" جلد 3 صفحہ 93)

4۔قاضی عیاض رحمہ اللہ (" عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء و سماع موتیٰ" صفحہ 81 اور "نداء حق جلد

3 صفحہ 60)
5۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ("انداء حق" جلد 3 صفحہ 88،59 اور " عقائد علماء دیوبند ور مسئلہ حیات الانبیاء و سماع موتی" صفحہ 80،88)

س تضاد بیانی پر ہم نیلوی صاحب کا ہی تبصرہ نقل کرتے ہیں چنانچہ موصوف فرماتے ہیں

"یاللعجب! سچ کہتے ہیں لیس للباطل اساس جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے نیز کسی نے محاورہ کہا ہے۔ دروغ گو را حافظ نباشد "

ہمارا بھی اسی پر صاد (✓) ہے۔

(جاری)

خواب میں حضورﷺ کے دیدار کے لیے مجرب نسخے

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

حضورﷺ کے دیدار کے لیے اسلاف اور بزرگوں سے مختلف اعمال منقول ہیں۔ بندہ عاجز دو اعمال تحریر کرتا ہے۔کوئی خوش نصیب ان میں سے جو بھی عمل کریں اور اس کے ذریعے ان کو اپنے آقا و مولیٰ کی زیارت نصیب ہو تو بندہ کی سعادت کے لیے کافی ہے۔

1: نماز جمعہ کے بعد باوضو ایک پرچہ پر محمد رسول اللہ ، احمد رسول اللہ 35 مرتبہ لکھے اور روزانہ طلوع آفتاب کے وقت درود شریف پڑھتے ہوئے غور سے اسے دیکھتا رہے۔ ان شاءاللہ نبی کریم کی زیارت خواب میں کثرت سے کرے گا

2: نماز مغرب کے بعد نماز عشاء تک مسلسل نوافل پڑھیں دو دو رکعات ، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین تین بار سورہ اخلاص پڑھیں۔اس دوران باتیں نہ کریں۔پھر نماز عشاء کے بعد گھر جاکر صرف دو رکعت نفل پڑھیں لیکن سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص سات سات مرتبہ پڑھیں۔سلام پھرنے کے بعد سجدہ میں جاکر سات دفعہ استغفار، سات مرتبہ درود شریف اور سات دفعہ سبحان اللہ،الحمدللہ،لاالہ الااللہ،اللہ اکبر،لاحول ولاقوۃ الاباللہ پھر سجدہ سے سر اٹھاکر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور درجہ ذیل دعا پڑھیں۔

"یاحی یاقیوم یاذالجلال والاکرام یاالہ الاولین والاخرین یارحمن الدنیا والاخرۃ ورحیمھما یارب یارب یارب یااللہ یااللہ یااللہ

پھر دائیں کروٹ پر سوجائے کسی سے بات نہ کریں اور درود شریف پڑھتا رہے۔ ان شاءاللہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدار نصیب ہوگا۔

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب
قسط: ۳

فقہ غیر مقلدین قرآن و حدیث کے خلاف ہے

9.شریعت:

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رض کیلئے "رضی اللہ عنھم" کا سرٹیفکیٹ عنایت فرمایا ہے ،ور پوری امتِ مسلمہ کا اتفاق اور اجماع ہے کہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جمعین کیلئے کلماتِ ترضیہ استعمال کرنا ممدوح ہیں

بغاوت:

اب دیکھیں کہ غیر مقلدین کس طرح قرآن کریم کے اس اعلان سے بغاوت کرتے ہیں۔غیر مقلدین کی طرف سے" امام اہلحدیث" کا لقب پانے والا(دیکھیے: سلفی تحقیقی جائزہ ص944) شخصیت وحیدالزمان صاحب(المتوفّیٰ:1920ء) اپنی مایہ ناز کتاب اور فقہ حنفی کی کتاب"کنز الدقائق" کے مقابلہ میں لکھنے والی کتاب"کنز الحقائق" میں یوں لکھتے ہیں:

> "ویستحب الترضی لصحابة غیر ابی سفیان ومعاویة وعمرو بن العاص ومغیرة بن شعبة وسمرة بن جندب ویستحب السکوت عن ہؤلاء الخمسة"(کنز الحقائق ص234)
>
> ترجمہ:صحابہ کرام کیلئے کلماتِ ترضیہ کا استعمال مستحب ہے ،سوائے ابوسفیان و معاویہ و عمرو بن العاص و مغیرۃ بن شعبہ و سمرۃ بن الجندب کے، اور ان پانچ حضرات سے خاموشی مستحب ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون! یہ حضرات تو اپنے اکابرین مثلاً شوکانی صاحب کے لئے تو "رضی اللہ عنہ" کلمہ استعمال کرتے ہیں (دیکھیے: عرف الجادی ص7) لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے کوئی گنجائش نہیں.
بہرحال غیر مقلدین کی یہ گستاخی بھی شریعت سے ایک کھلی بغاوت کی دلیل ہے جو محتاجِ بیان نہیں۔

10.شریعت :

قرآن کریم کی متعدد آیاتِ کریمہ میں اجماع کی حجیت موجود ہے مثلاً اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ

وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا"(سورۃ نمبر 4 النساء آیت 115)
ترجمہ: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے امام شافعی اور دیگر متعدد محدثین و مفسرین کرام نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے اختصاراً دیکھیے(روح المعانی ج5 ص146، تفسیر بیضاوی ج1 ص206، تفسیر مظہری ج2 ص236، تفسیر کشاف ج1 ص565،احکام القرآن للجصاص ج2ص281، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ج7ص39، تفسیر ابن کثیر ج1ص555 وغیرہ)

بغاوت:

اب شریعت سے بغوت کرتے ہوئے غیر مقلدین کا نظریہ بھی ملاحظہ کیجئے۔ یہی نواب صاحب جس کو غیر مقلدین کی طرف سے مندرجہ ذیل القابات ملے ہیں " مولانا وحید الزماں ایک۔بلند پایہ عالمِ دین، مفسرِ قرآن، محدث، فقیہ، مؤرخ، متکلم، معلم، مترجم، نقاد، دانشور، مبصر، مصنف اور عربی اور اردو کے بلند مرتبہ ادیب تھے"(چالیس علمائے اہلحدیث از عبدالرشید عراقی صاحب صفحہ 103) اپنی کتاب ہدیۃ المہدی میں اجماع کی عدم حجیت کے متعلق لکھتے ہیں:

"والحق ان الاجماع الظنی والقیاس لیستا بحجتین"(ہدیۃ المہدی ص82)
ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ اجماعِ ظنی اور قیاس دونوں حجت نہیں ہیں۔

صرف موصوف ہی اس بات کا قائل نہیں بلکہ متعدد غیر مقلدین عدم حجیت اجماع کے قائل ہیں۔ چند مزید حوالہ جات بھی ملاحظہ کیجئے!
غیر مقلدین کی کتاب "مکالماتِ نورپوری ص 85 ادارہ تحقیقات سلفیہ گوجرانوالہ" میں جماع کا ایں اغاظ حجت ہونے سے انکار کیا گیا ہے

" اجماعِ صحابہ اور اجماع ائمہ مجتھدین کا دین میں حجت ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں"

عبدلمنان نورپوری صاحب نے تو تفصیلاً اجماع کی نفی پر بحث کی ہے لیکن ہم یہاں مختصراً موصوف کی چند باتیں نقل کرتے ہیں۔ نورپوری صاحب ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں :

"تو یہ اجماع کی نفی ہے اس حدیث نے تو اجماع کے پرخچے اڑادیے ہیں اور یہ دلیل بنائے بیٹھے ہیں"

اور پھر دوسری حدیث کے متعلق لکھتے ہیں

"یعنی یہ بھی اجماع کی نفی ہے کہ اجماع ہونا ہی نہیں ہے اور یہ بنائے بیٹھے ہیں"

پھر آخر میں لکھتے ہیں

" یہ جتنی بھی دلیلیں اجماع کی پیش کرتے ہیں بخی ان میں سے کوئی بھی نہیں"(سہ ماہی مجلہ المکرم اشاعتِ خاص نورپوری نمبر ص40 و 41 گوجرانوالہ)

غیر مقلدین کے محقق کبیر و مناظرِ اھلحدیث وکیلِ سلفیت علامہ رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"صحابہ کے بعد کا اجماع حجت نہیں ہوسکتا "(سلفی تحقیقی جائزہ ص66)

سعید احمد یوسفزئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"دینی امور معاملات و مسائل میں راہنمائی صرف کتاب و سنت ہی سے حاصل کرنی چاہیے لیکن اگر انہیں چھوڑ کر یا ان کے ساتھ دوسری تیسری ور چوتھی شے کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس سے سوائے گمراہی کے کچھ نہیں مل سکے گا"(صحیفہ اہلحدیث یکم ربیع الآخر 1417ھ)

غیر مقلدین کے مجدد العصر نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی:1307ھ) لکھتے ہیں

" (ترجمہ پر اکتفاء کرتے ہیں-ناقل) فی نفسہ اجماع کے ممکن ہونے میں، اس کے علم کے ممکن ہونے میں اور ہماری طرف اس کے منتقل ہونے میں اختلاف ہے۔ حق بات یہ ہے کہ یہ کچھ ممکن نہیں اور ان سب کو مان لینے کی صورت میں پھر بھی ان سب میں اختلاف ہے کہ اجماع شرعی حجت بھی ہے یا نہیں۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس پر اکثر کی دلیل فقط نقل ہے نا کہ عقل، حق یہ ہے کہ اجماع حجت نہیں اور اگر ھم مان بھی لیں کہ جماع حجت ہے اور اس کا علم ممکن ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جس چیز پر اجماع ھوا ہے وہ حق ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا اتباع کا بھی واجب ہو"(افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ فارسی ص121 مطبع مکتبہ محمدیہ لاھور)

مشہور غیر مقلد ابوالاشبال احمد شاغف صاحب لکھتے ہیں:

"اہلسنت والجماعت کے اصول کے مطابق شریعت یا ادلہ احکام شریعت صرف دو ہیں یعنی کتاب و سنت لیکن سنت و جماعت کے ساتھ نسبت جوڑنے والے اکثر فرقوں نے اصولِ شریعت کے ضمن میں کتاب و سنت کے ساتھ اجماع کو بھی شامل کیا ہے"(مقالاتِ شاغف ص207)

مزید یہی صاحب اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں:

"دراصل ان قیود و شرائط کے ساتھ اجماع جوئے شیر لانا ہے اور یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ادلہ شرعیہ سے

اس کا کوئی تعلق نہیں"(ایضا ص208)

اسی پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ کئی حوالہ جات اور تیار مواد موجود ہیں لیکن یہاں ہمارا مقصود احاطہ نہیں صرف نشاندہی کے طور پر چند حوالہ جات ذکر کرنا تھا تاکہ خود قارئین کرام کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ غیر مقلدین کتنے شریعت کے خلاف چلے آرہے ہیں۔ اللہ ہمیں غیر مقلدیت(بدونِ جتھاد) سے بچا کر قرآن و سنت کی متبعین بنائے آمین یارب العالمین۔

11.شریعت:

قیاسِ صحیح بھی قرآن کریم اور حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ 12.
"تو عبرت لو اے نگاہ والو"۔

مذکورہ بالا آیت مبارک کے تحت مفتی بغداد علامہ محمود آلوسیؒ(متوفی: 1270 ھ) فرماتے ہیں :

"واشتهر الاستدلال بهذه الجملة على مشروعية العمل بالقياس الشرعي، قالوا: لأنه تعالى أمر فيها بالاعتبار، وهو العبور والانتقال من الشيء إلى غيره، وذلك متحقق في القياس، إذ فيه نقل الحكم من الأصل إلى الفرع..." (تفسير روح المعاني، ج:15، ص:59)
"اس آیت سے قیاس شرعی پر عمل کرنے کا استدلال مشہور ہو گیا ہے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے اندر اعتبار کا حکم دیا ہے اور وہ ایک چیز کے منتقل ہونے کا نام ہے اور یہی قیاس شریعت میں معتبر ہے اس لیے کہ اس کے اندر بھی حکم اصل سے فرع کی طرف منتقل ہوتا ہے "۔

امام شہاب الدین الخفاجیؒ (متوفی: 1069ھ) فرماتے ہیں:

"فإنا أمرنا بالاعتبار، والاعتبار ردّ الشيء إلى نظيره بأن يحكم عليه بحكمه" (حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي، تحت هذه الآية)
ترجمہ:"کیونکہ ہمیں 'اعتبار' کا حکم دیا گیا ہے اور اعتبار ہوتا ہے کسی شئے کو اس کی نظیر کی طرف لوٹنا تاکہ اس پر اس کے حکم جیسا حکم لگایا جاسکے "۔

قیاس شرعی کا ثبوت حدیث شریف سے بھی ملاحظہ کیجئے:

سیدنا رسول اللہ (ﷺ) نے جب حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو یمن میں امیر بنا کر بھیجا تو آپ (ﷺ) نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا:

"جب تم کو کوئی فیصلہ درپیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ آپ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی (سب سے پہلے) کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اگر تم کو کتاب اللہ سے نہ ملے؟عرض کی، تو سنت رسول اللہ(ﷺ) سے۔ حضور نبی رحمت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اگر سنتِ رسول (ﷺ)میں نہ ملے ور نہ کتاب اللہ میں ملے (تو کیسے فیصلہ کرو گے)؟ آپ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، پھر میں اپنی رائے سے جتہاد کروں گا اور اس میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑوں گا۔ (یہ سن کر) آپ (ﷺ)نے آپ کے سینہ پہ دستِ اقدس رکھا اور ارشاد فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰہِ لِمَا یُرْضِی رَسُولَ اللّٰہِ"
"اللہ تعالی کا شکرہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کے قاصدکو اس بات کی توفیق عطافرمائی جوبات رسول اللہ (ﷺ) کو خوش کرتی ہے"۔[سنن ابی داود، کتاب الأقضیۃ]

یہ حدیث مبارک بالکل واضح انداز میں قیاس کی حجیت پر دلالت کرتی ہے۔ کئی ائمہ دین نے اس حدیث مبارک سے قیاس کی حجیت پہ استدلال کیا ہے۔
مزید دلائل کثیرہ بھی موجود ہے لیکن خوفِ طوالت سے ہم وہ پیش نہیں کرسکتے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں بعونہٖ تعالی ۔

بغاوت:

غیرمقلدین کی اب اس شرعی امر سے بغاوت ملاحظہ کیجئے کہ کیسے قرآن کریم کی حکم کے خلاف ورزی کرتے ہیں چنانچہ نواب وحیدالزمان صاحب (المتوفی1920ء) قیاس کی یوں نفی کرتے ہیں:

"الالھام لیس بحجۃ شرعیۃ وکذالک الرویا وکذالک الاجماع الظنی والقیاس"(کنز الحقائق ص7)
ترجمہ:الہام حجتِ شرعی نہیں ہے اور اسی طرح خواب اور اسی طرح اجماعِ ظنی اور قیاس(بھی) حجت نہیں ہیں۔

غیرمقلدین کے مفتی اعظم و مناظرِ کبیر عبد القادر حصاری صاحب لکھتے ہیں:

"قیاس کرنا معلم الملکوت کی سنت ہے"(فتاوی حصاریہ ج2ص118)

نواب نور الحسن خان بن نواب صدیق حسن خان (المتوفی:1917ء) لکھتے ہیں:

"وبعدازنکہ جماع چیزی نیست قیاس مصطلح کہ آنرا دلیل رابع قراردادہ اند خود کفی المؤنۃ شدونماند مگر آنکہ دلہ دین اسلام وملت حقہ خیرالانام منحصر در دو چیزست یکی کتاب عزیز دوگر سنت مطہرہ وماورائے این ہردوکدام حجت نیرہ وبرہان قاطع نیست"(عرف الجادی ص3)
ترجمہ: "اور جب اجماع کی کوئی حیثیت نہیں تو قیاسِ مصطلح جسے(فقہاء نے)چوتھی دلیل قرار دیا ہے خود ہی اس کی ضرورت پوری ہوگئی اور وہ کچھ نہ رہا سوائے اس کے دینِ اسلام اور خیرالانام کی ملتِ حقہ کی دو دلیلیں دو

چیزوں میں منحصر ہیں کتاب اللہ، سنتِ مطہرہ۔ ور ان دونوں چیزوں کے علاوہ کوئی چیز بھی حجتِ نیّرہ(روشن حجت) اور برہانِ قاطع نہیں ہے۔"

غیر مقلدین کے مدقق العصر ابوالاشبال احمد شاغف صاحب مرحوم لکھتے ہیں :

"پس اے امت مسلمہ کتاب و سنت کے صریح احکام پر عمل کرنے پر اکتفا کرو۔ اس کے اندر ڈوب کر ست نکالنے کی فکر میں مت پڑو۔ اجتہاد و قیاس کی ضرورت نہیں غلط فہمی میں مت پڑو یہ شیطانی وسوسے ہیں ور ان ہی وساوس پر عمل کرنے کے یہ نتائج ہیں کہ امت مسلمہ متفرق فرقوں میں بٹ کر تباہ و برباد ہو رہی ہے" (مقالاتِ شاغف ص282)

چند صفحات آگے مزید لکھتے ہیں

"اہلِ حدیث کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ براہ راست کتاب و سنت کی تباع کی جائے عقائد و احکام اصول و فروع کسی جگہ بھی رائے و قیاس سے کام نہ لیا جائے جبکہ دوسروں کے یہاں رائے و قیاس کو ہمیت حاصل ہے" (مقالاتِ شاغف ص266)

غیر مقلدین کے محقق اور مشہور مصنف مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی صاحب لکھتے ہیں:

" مسلمانوں نے اجماع، قیاس، تقلید، حیلہ، تصوف، قبر پرستی، فرقہ بندی وغیرہ یہود و نصاری سے لیں"(مجموعہ رسائل ص171 مکتبہ محمدیہ لاھور)

اس لیے تو غیر مقلدین کے مناظرِ کبیر رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں:

" ظاہر ہے کہ منکرِ قیاس۔۔۔۔اہلحدیث ہی ہوگا"(ضمیر کا بحران ص376)

اسی پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ درجنوں حوالہ جات مزید موجود ہے۔

12.شریعت:

محدثین نے اس کے متعلق حادیث اپنی اپنی کتبِ احادیث میں ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منی کو دھونے کی ترغیب دی ہے اور نجس ہے۔ مختصراً چند حوالہ جات ملاحظہ کیجئے۔

عن عبداللہ بن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المنی والمذی والودی ودم الحیضۃ ودم النفاس نجس لا یصلی بثوب وقع فیہ شیٔ من ذالک حتی یغسل"(الجامع الصحیح للامام الربیع ج1 ص32)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منی، مذی، ودی، حیض کا خون اور نفاس کا خون سب نجس ہیں جس کپڑے میں ان سے کوئی چیز لگ جائے تو اس کپڑے میں تب تک نماز پڑھنا جائز نہیں جب تک کپڑے کو دھو نہ لیا جائے"

حیض کیلیے قرآن کریم میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی "اذٰی"(سورۃ البقرۃ، آیت 222)
اسی طرح منی کے لئے بھی حدیث میں یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے چنانچہ حضرت معاویہ سے روایت انہوں نے اپنی بہن ام المؤمنین زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام حبیبہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کپڑے میں شب باشی کیا کرتے اس میں نماز پڑھ لیتے تھے؟

فقالت نعم اذا لم یر فیہ اذٰی (سنن ابی داؤد ج1 ص53)
"تو ام المومنین نے فرمایا کہ آپ اس کپڑے میں تب نماز پڑھتے جب اس میں گندگی نہ ہوتی"

معلوم ہوا کہ منی نجس ہے جس کپڑوں میں لگ جائے تو اس میں نماز جائز نہیں۔
اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ منی آلود کپڑے کے بارے میں فرماتے ہیں

"ان رأیتہ فاغسلہ الثوب کلہ"(شرح معانی الآثار للطحاوی ج1 ص52)
ترجمہ: اگر منی نظر آجائے تو صرف اسی حصے کو دھوے اور اگر نظر نہ آئے تو سارے کپڑے کو دھوئے۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ منی نجس ہے اور دھونا چاہیے تفصیل کے لئے رئیس المحققین حضرت مولانا منیر احمد منوّر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "**تقابلی مطالعہ**" ص14 تا 22 مطالعہ کیجئے۔

بغاوت:

اب غیر مقلدین کی شریعت سے بغاوت کا نظارہ دیکھیں، غیر مقلدین کی اکثر بلکہ تمام کی تمام (الا نادرہ) کتب میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ منی پاک ہے نجس نہیں ہے
چانچہ غیر مقلدین کے محقق ابویزید عبدالقاہر صاحب لکھتے ہیں کہ

"منی پاک ہے۔۔۔ نجاست پر کوئی دلیل نہیں ہے۔۔۔ یہ منی اگر پانی میں ہو تب بھی پاک ہے اگر کپڑوں پر ہو یا بدن پر ہو تو دور کرانے کی کوئی ضرورت نہیں"(التحقیقات ص32 و 33 و فتاوی الدین الخالص ج1 ص390 لامین اللہ البشاوری)

ور بقول نواب وحید الزمان یہ منی تر ہو یا خشک، گاڑھی ہو یا پتلی سب پاک ہے(نزل الابرار ج1 ص335)
مزید غیر مقلدین کی مندرجہ ذیل کتب میں بھی منی کی پاک ہونے پر بحث موجود ہے

کنزل الحقائق ص16، عرف الجادی ص10، بدور الاھلہ ص15، فتاویٰ نذیریہ ج1ص335۔
اب آپ حضرات خود ہی فیصلہ کیجئے کہ غیر مقلدین کی فقہ شریعت کے موافق ہے یا مخالف؟

13.شریعت:

شریعت کا تقاضا اور فیصلہ یہ ہے کہ نجس چیز سے پانی ناپاک ہوتا ہے خواہ پانی کا رنگ، ذائقہ یا بو بدل جائے یا نہ بدل جائے ہرحال میں وہ پانی ناپاک ہی ہوتا ہے جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

"لایبولن احدکم فی المآء الدائم الذی لایجری ثم یغسل"(الصحیح البخاری ج1ص37)
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے یعنی ایسے پانی میں جو جاری نہیں پھر اس میں غسل بھی کرے۔

اس پانی سے غسل کی ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ناپاک ہے حالانکہ پیشاب سے اس کا کوئی وصف نہیں بدلتا۔
حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لایغسل احدکم فی المآء الدائم وھو جنب"
ترجمہ:تم میں سے کوئی بھی بحالتِ جنابت غسل نہ کرے ٹھہرے ہوئے پانی میں۔

س سے بھی معلوم ہوا کہ ٹھہرے ہوئے قلیل پانی میں کوئی آدمی غسلِ جنابت کرے تو اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا کوئی وصف بھی اس سے نہیں بدلتا۔
خلاصہ:
یہ کہ شریعتِ مطہرہ کا یہ تقاضا ہے کہ پانی کا رنگ، ذائقہ یا بو بدل جائے یا نہ، ہر حال میں پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

بغاوت:

بھی غیر مقلدین کا اس شرعی مسئلے سے بغاوت ملاحظہ فرمائیں، ان کا یہ مسلک ہے کہ

" پانی کم ہو یا زیادہ جب تک گندگی سے اس کے رنگ یا بو یا مزہ میں فرق نہ آئے، وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ ائمہ اہل حدیث کا یہی مسلک ہے(صحیح بخاری مترجم ج1ص236،کتاب الوضوء)

اور غیر مقلدین کے مشہور مصنف مولانا صادق سیالکوٹی صاحب بھی موقف ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ (اگر نجاست کے گرنے سے) پانی سے بدبُو آنے لگے یا اس کا مزا

بگڑ جائے یا رنگ تبدیل ہو جائے (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) تو وہ پانی ناپاک (ہو جاتا) ہے" (صلوۃ الرسول ص 53 قدیم ترین نسخہ)

نوٹ: قوسین میں جملے خود صاحب کتاب ہی کی ہے
غیر مقلدین کے مایہ ناز محقق الشیخ عبد الرحمٰن عزیز صاحب کچھ تحدید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" مذکورہ مقدار سے زیادہ (نجاست گر گیا ۔ناقل) ہو تو اس وقت (پانی۔۔ناقل) ناپاک ہوگا جب نجاست سے اس کے رنگ، بو اور ذائقہ میں سے کوئی وصف تبدیل کرے" (صحیح نمازِ نبوی ص 33، دارالاندلس لاہور)

نوٹ: اس کتاب پر مبشر ربانی صاحب اور شیخ الحدیث عبداللہ رفیق صاحب کی نظرثانی کے طور پر نام بھی ثبت ہے۔
محمد خالد سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"پانی صرف اس وقت ناپاک ہوتا ہے جب اس میں کوئی نجس چیز گر جائے اور اس سے رنگ، بو اور مزہ بدل جائے" (نمازِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص 16 فیصل آباد)

ابو یزید عبدالقاہر صاحب غیر مقلد ایک مماتی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوئم جواب دا چہ اوبہ نہ پلیتیگی ترسو چہ خوند رنگ بوئی نہ وی خراب شوے۔ آیا دا خبرہ خرافات دی؟ کہ دا خرافات وی نو اوس دا خرافات (معاذاللہ) د رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم د خولے مبارکے نہ وا ورہ (التحقیقات فی رد الھفوات ص 31 ایوب کمتبہ قصہ خوانی بازار پشاور)
ترجمہ: دوسرا جواب یہ کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کی رنگ، ذائقہ اور بُو خراب نہ ہوئی ہو، اب کیا یہ خرافات ہیں؟ اگر یہ خرافات ہیں تو ب یہ خرافات (معاذاللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زبان مبارک سے سنئے"

نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

"وکذالك بماء لم یتغیر احد اوصافه بوقوع النجاسة فیه" (نزل الابرار حصہ اول ص 29)
ترجمہ: اور اسی طرح اگر پانی میں نجاست گر جائے تو جب تک پانی کے اوصاف بدل نہ ہو (تو پانی ناپاک نہیں ہوتا)

نواب صدیق حسن خان (المتوفیٰ: 1307ھ) اور اس کا استاذ محترم قاضی شوکانی صاحب (1250ھ) کا بھی ایسا ہی مسلک ہے، چنانچہ مشہور غیر مقلد قلمکار مولانا اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں:

"امام شوکانی اور سید صدیق حسن خان رح کا رجحان واقعی حضرت امام مالک رح کے مسلک کی طرف ہے، وہ پانی

کی مقدار کو نجاست اور طہارت میں اہمیت نہیں دیتے، بلکہ وہ اس کا انحصار کیفیت ہی پر فرماتے ہیں، پانی کم ہو یا زیادہ، رنگ، بو، مزہ بدل جائے تو اسے پلید سمجھتے ہیں، ورنہ ان کی نظر میں وہ پانی پاک ہے (تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ رح کی تجدیدی مساعی ص305 گوجرانوالہ)

غیر مقلدین کے مقبول و معتمد مصنف محمد جمیل زینو صاحب کی کتاب کا ترجمہ حافظ محمد عبداللہ صاحب غیر مقلد نے کیا ہے اس میں لکھتے ہیں:

"وہ پانی جس کے ساتھ گندگی مل ہوئی ہو، اس کی دو حالتیں ہیں:
1۔ نجاست سے پانی کا ذائقہ، رنگ یا بو تبدیل ہوجائے تو ایسی صورت میں اس سے طہارت حاصل کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔
2۔ اگر پانی کا رنگ،بو یا ذائقہ تبدیل نہ ہو تو وہ پانی پاک ہے، اس سے طہارت حاصل کی جاسکتی ہے، پانی کم ہو یا زیادہ، دونوں حالتوں میں برابر ہے" (ارکان اسلام و ایمان صفحہ نمبر: 88)

حافظ عبداللہ سلیم صاحب اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں :

"(پانی)اس وقت تک نجس اور پلید نہیں ہوتا جب تک کسی نجاست کی وجہ سے اس کے اوصاف ثلاثہ:رنگ، بو اور ذائقہ نہ بدل جائیں"(عورتوں کے مسائل ص60)

خلاصہ:
غیرمقلدین کی اس فقہی مسئلہ اور اوپر شرعی مسئلہ میں تقابل کرکے آپ آسانی سے فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ شریعت کے موافق ہے یا مخالف؟

ضروری وضاحت:

غیرمقلدین جو اپنی اس مدّعٰی پر دلیل پیش کرتے ہیں تو وہ عوام سے حقیقت چھپا کرکے حدیث کو آدھا لکھتے ہیں یعنی "إِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" تک الفاظ لکھتے ہیں مثلاً دیکھیں (التحقيقات لابي يزيد عبد القاهر ص31، و عورتوں کے مسائل ص60 از حافظ عبداللہ سلیم) حالانکہ بحث اس میں نہیں ہے پوری حدیث یوں ہے:
إِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰى رِيْحِهٖ وَطَعْمِهٖ وَلَوْنِهٖ"
تو غیرمقلدین صرف آدھا حدیث نقل کرکے محدثین کی تصحیح نقل کرتے ہیں تاکہ عوام الناس اور بے خبر حضرات یوں سمجھے کہ واقعی غیرمقلدین کے پاس تو مضبوط دلیل ہے،
حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ مذکورہ حدیث کامل ضعیف ہے، محدثین تو ایک طرف خود غیرمقلدین نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے چنانچہ مولانا اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں

" اِلَّا کے بعد جو زیادت ہے باتفاقِ محدثین ضعیف ہے"(تحریک آزادی فکر ص305)

عبد الرؤف سندھو صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

" اس حدیث کا دوسرا ٹکڑا"اِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيحِهِ وَطَعْمِهِ وَلَوْنِهِ" ضعیف ہے"(القول المقبول ص72)

مزید دو غیر مقلد زبیر علیزئی اور مبشر احمد ربانی صاحبان جنھوں نے صلوۃ الرسول پر حاشیہ لکھا ہے اور نظرثانی بھی کی ہے لکھتے ہیں

"وضَعَّفَهُ أَبُو حَاتِم "(حاشیہ صلاۃ الرسول)

ور عبدالرحمن مبارکپوری صاحب(المتوفی:1353ھ) لکھتے ہیں

"أخرجه ابن ماجه وضعفه أبو حاتم "(فتاوی عبدالرحمن مبارکپوری ص121)۔

"امکان کذب و امکان نظیر کی مختصر وضاحت "

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

اللہ تعالی حضورپاک کے مثل پیدا کرنے پر قادر ہے ، عاجز نہیں ؛ کیونکہ آپ کی نظیر ممکن بالذات ہے ور خدا تعالی کی قدرت میں داخل ہے ، ہاں اپنے وعدے کے مطابق آپ کا مثل ہر گز ہر گز پیدا نہیں کرے گا۔ان اللہ لایخلف المیعاد ۔۔ومن اصدق من اللہ قیلا۔ لہذا آپ کا مثل پیدا کرنا محال بالغیر ہے ، محال بالذات نہیں جو قدرت خداوندی کے تحت داخل نہ ہو__کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ممکن ہے ، واجب اور ممتنع نہیں ۔۔تو آپ کی نظیر بھی ممکن ہے ۔۔۔کیونکہ ممکن کی نظیر ممکن ہی ہوسکتی ہے اور واجب بالذات ممتنع بالذات، ممکن بالذات کی نظیر نہیں ہوسکتی۔

مزید تفصیل کے لیے " جہد المقل " مصنفہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

مفتی رب نواز صاحب مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

مولانا داؤد غزنوی کی نماز

مولانا داود غزنوی صاحب کا شمار اُن لوگوں میں ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہا کرتے ہیں۔ غزنوی صاحب کے اعمال و کردار میں صرف یہاں ان کی نماز کو قارئین کو سامنے لاتے ہیں ۔

اگر اذان فجر وقت سے پہلے دی جائے تو قابل اعادہ ہے

حافظ عبد الرشید (مدرس دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور) لکھتے ہیں:

"ایک دن صبح کی اذان ہوئی تو مولانا فوراً نیچے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ ابھی اذان کا وقت نہیں ہوا تھا بلکہ دو منٹ باقی تھے،اس لئے دوبارہ اذان کہو اور یہ بات حضرتؒ نے بڑے جلال میں کہی۔" (مولانا داود غزنوی صفحہ ۱۷۵)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی اقتداء میں نماز

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے مولانا داود غزنوی کے حالات میں لکھا:

"انہوں نے مولانا مدنیؒ ہی کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو ترجیح دی" (مولانا داود غزنوی صفحہ ۱۳۰ طبع فاران اکیڈمی لاہور)

ننگے سر نماز

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا سید محمد داود غزنوی ننگے سر نماز پڑھنے والے کو ڈانٹتے اور سے سختی سے روکتے تھے" (گزر گئی گزران صفحہ ۲۶۹)

بھٹی صاحب "ننگے سر" عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"ننگے سر نماز پڑھنا مولانا کو ناگوار گزرتا تھا۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو ۔ایک مرتبہ مسجد چینیانوالی میں بیٹھے تھے کہ ملک محمد رفیق جواُن کے پُرانے دوست ،عقیدت مند ت اور حلقہ مسجد چینیا نوالی کے رہنے والے تھے۔ ان کی موجودگی میں مسجد میں آئے اور ننگے سر نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اُن کوبُلایا اور فرمایا: ملک صاحب !ایک بات عرض کروں؟ انہوں نے کہا: مولانا فرمایئے ، کیا ارشاد ہے ۔ کہا : ننگے سر نماز نہ پڑھا کریں" (مولانا داود غزنوی صفحہ ۱۳۴)

مولانا داود غزنوی صاحب نے لکھا:

"ابتداء اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بصراحت مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ نے مسجد میں ور وہ بھی نماز با جماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو، چہ جائیکہ معمول بنا لی ہو۔ اس لیے اس رسم بد کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہو گا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد یا خشوع خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ولا یاتون الصلوۃ الا وھم کسالی یعنی اور نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط سید محمد داود غزنوی ۲۹ جمادی الاولی ۱۳۷۹ھ" (فتاویٰ علمائے حدیث :۴/ ۲۹۱)

جمع تقدیم

بھٹی صاحب "جمع تقدیم اور جمع تاخیر" عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں:

"نماز میں جمع تقدیم کے بھی وہ قائل نہ تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھ اور اس پر انہیں اصرار تھا کہ جس نما کا وقت نہیں ہوا۔ وہ کیوں پڑھی جائے۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے : ایک مرتبہ تنظیم جماعت کے ضمن میں مولانا غزنویؒ، مولانا محمد اسماعیل مرحوم اورمولانا عطاء اللہ حنیف ضلع لاہور کے ایک قصبے موضع کھڈیاں گئے۔ میں بھی ساتھ تھ۔ نمازجمعہ وہاں پڑھی او ر علاقے کے لوگوں کو خطاب کیا۔ وہاں سے چلے تو قصور پہنچے اور نمازِ مغرب قصور کی مسجد میں ادا کی۔ فرض پڑھنے کے بعدمولانا غزنویؒ تو حسب معمول وظیفے میں مشغول ہوگئے اور مولانا محمد اسماعیل مرحوم نے عشاء کی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ وظیفے کے بعد مولانا نے مولانا محمد اسماعیل مرحوم سے پوچھا: یہ آپ نے مغرب کی نماز کے بعد کیا پڑھا ہے؟ کہا: نمازِ عشاء" فرمایا: کیوں؟ کہا: مغرب کے ساتھ عشاء جمع کر لی ہے۔ فرمایا: عشاء کا وقت تو ابھی نہیں ہوا۔ آپ نے قبل از وقت نماز کیوں پڑھی؟"(مولانا داود غزنوی صفحہ ۱۳۵)

نماز کے بعد وظائف

حافظ عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں: :

"نماز کے بعد وظیفہ مکمل کرکے اُوپر تشریف لے گئے۔" (مولانا داود غزنوی صفحہ ۷۵!)

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے مولانا داود غزنوی کے حالات میں لکھا:

"ہر نماز کے بعد وظائف پڑھتے اور ہاتھ اُٹھا کر لمبی دعا مانگتے۔نماز فجر، نماز مغرب اور نماز عشاء کے بعد بالخصوص وظائف کا سلسلہ بہت طویل ہوتا تھا۔"(نقوش عظمت رفتہ صفحہ ۲۱)

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے جنازہ میں شرکت

مولانا داود غزنوی صاحب ۱۹۶۲ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"۲۴ فروری کو مولانا احمد علی صاحب علیہ الرحمہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی ۔ افسوس کہ آج رات ۹:۳۰ بجے مولانا احمد علی صاحب کئی سال فالج کی علالت کے بعد حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔نماز جنازہ کا تین بجے یونیورسٹی گراونڈ میں اعلان تھا ۔ پہلے وہاں بہت زیادہ خلقت جمع تھی۔ جنازہ کے ساتھ اور بے شمار لوگ آ گئے۔ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس مکان میں آیا، بہت تھک گیا تھا۔" (مولانا داود غزنوی صفحہ ۲۸۸)

نماز کے بعد دعا مانگنا

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے مولانا داود غزنوی کے حالات میں لکھا:

"ننگے سر نماز پڑھنا اور نماز کے بعد دعا نہ مانگنا ان کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ فعل تھا۔" (نقوش عظمت رفتہ صفحہ ۲۱)

ایک وتر

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا اسماعیل صاحب نے [مغرب کی نماز کے وقت (نافل)]عشاء کی نماز پڑھنا شروع کردی۔ پہلے دو فرض پڑھے اور پھر ایک وتر پڑھا۔ مولانا غزنوی وظیفے اور دعا سے فارغ ہوئے تو مولانا اسماعیل سے پوچھا : یہ آپ نے کیا پڑھا ہے ؟ جواب دیا : عشاء کی نماز !فرمایا: عشاء کا وقت ہوگیا؟ بولے : میں مسافر ہوں ۔ پھر پوچھا: ایک رکعت کیوں پڑھی ہے؟کہا: وتر ۔فرمایا: جس نماز کا وقت نہیں ہوا ، وہ نماز کیوں پڑھی جائے؟ ساتھ ہی فرمایا: ایک رکعت تو کوئی نماز نہیں ہوتی" (نقوش عظمت رفتہ صفحہ ۶۷)

عورت کی نماز

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"مسائل فقہ میں وہ عدل و قسط کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ایک دن فرمایا : "مولوی اسحاق! ایک مسئلہ بتائیے" عرض کیا: جناب! میں مسئلہ بتاؤں؟فرمایا: "آپ کے لیے مسئلہ بتانا گناہ کی بات ہے ؟" ساتھ ہی

ارشاد فرمایا. "مسئلہ یہ ہے کہ عورت سجدہ کس طرح کرے؟ پچھلا حصہ سجدہ میں مردوں کی طرح اونچا کرے یا نیچا رکھے؟ نیز مندانہ انداز سے عرض کیا: عورت کو پردے میں نماز پڑھنی چاہیے۔ گھر کے صحن کے بجائے اندر کمرے میں جا کر فریضہ نماز ادا کرے۔ یعنی اسے مکمل پردے میں رہنا چاہیے۔ حالتِ سجدہ میں پچھلا حصہ اونچا کرنا پردے کے منافی معلوم ہوتا ہے، اس لیے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ، عورت اپنا پیٹ رانوں کے ساتھ ملائے ،اگر ایسا کیا جائے گا تو پچھلا حصہ نیچے رہے گا اور یہی اس فقیر کے خیال میں اصل مسئلہ ہے۔ فرمایا: "بالکل صحیح ہے۔ پچھلا حصہ اوپر نہیں اٹھانا چاہیے۔ مردوں کی طرح ایسا کرتے ہوئے عورت اچھی نہیں لگتی" (نقوش عظمت رفتہ صفحہ ۸۳)

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی نکتہ آفرینی

"عوامی جلسوں میں علامہ صاحب سے پوچھا جاتا کہ "یزید کے متعلق ہمارا کیا نظریہ ہونا چاہیے؟" تو آپ برجستہ جواب میں فرماتے "وہی جو امام حسین رضی اللہ عنہ کا تھا" پوچھنے والا پوچھتا "امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا سوچ ہونی چاہیے؟" علامہ صاحب فرماتے "وہی جو امام حسن رضی اللہ عنہ کی تھی"۔

علامہ صاحب فرماتے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والے ہیں اور اہل بیت کے متوالے ہیں، اس لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کا تصور آئے گا تو ہم حسنی مزاج پیدا کرلیں گے اور یزیدیت سامنے ہوگی تو حسینی جذبوں سے کارزار عالم کو گرم کردیں گے"

(مجلہ صفدر "علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر" جلد: 1، ص: 230,231)

محترم محمد عمر صاحب قسط: ۲

کشف القناع کا تحقیقی جائزہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور غیر اللہ سے مدد:

علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب نے شاہ ولی اللہ محدث دہوی رحمہ اللہ کی کتاب تفہیمات اسیہ سے نقل کیا تھا کہ

"ہر وہ شخص جو خواجہ اجمیر یا سالار مسعود کے مزارات پر اپنی حاجت روائی کے لئے جاتا ہے ور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتا ہے تو اس کا یہ عمل قتل و زنا سے بھی بڑا گناہ ہے، صاحب مزار کو مشکل کشا مختار کل سمجھتے ہوئے مشکلات میں پکارنے والے کی مثال لات و عزیٰ کو پکارنے والوں کی طرح ہے۔" (تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۴۸ بحوالہ دفاع اہلسنت ج 1 صفحہ 135)

ارشد چشتی نے اس ٹھوس اور زبردست حوالے سے جان چھڑانے کے لئے جو بیکار تاویلات کی ہے ان کے جوابات درج ذیل ہیں۔

تاویل نمبر ا: تفہیمت الہیہ میں تحریف ہو چکی ہے (مفہوم کشف القناع ج 2 ص 47)

جواب: یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، تفہیمات الہیہ پر بریلوی حضرات کے شبہت کا ازالہ ہم پچھلی قسط میں کر چکے ہیں۔

تاویل نمبر ۲: اس عبرت کے بعد ہی لکھا ہے کہ ہم ایسوں کی تکفیر نہیں کرتے، یہ تضاد ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ تفہیمات الہیہ کی یہ عبارت تحریف شدہ ہے (مفہوم کشف القناع ج 2 ص 47،48)

جواب: تکفیر انتہائی حساس مسئہ ہے، علماء اہلسنت بے وجہ کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہوی رحمہ اللہ نے احتیاط کا دامن تھامتے ہوئے عمومی تکفیر سے گریز کیا۔

حدیث میں آیہ ہے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا-مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَقَدْ كَفَرَ- لیکن اس کے باوجود جمہور علماء تارک الصلوۃ کی تکفیر نہیں کرتے، کیوں؟

اسی لئے کہ اگرچہ اس نے کافروں وال کام کیا لیکن جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے نماز کی فرضیت کا انکار کرکے نماز چھوڑ دی اور بالکل ہی نہیں پڑھتا تب تک تکفیر سے گریز ہی کیا جائے گا۔ علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص نماز کو عمداً سستی سے ترک کرے وہ فاسق ہے اس کو قید کیا جائے گا حتی کہ وہ نماز پڑھنے لگے کیونکہ بندہ کو بندوں کے حق کے بدلہ میں

قید کیا جاتا ہے تو اللہ کے حق کے بدلہ میں بندہ کو قید کرنے کا زیادہ حق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کو اس حد تک مرا جائے کہ اس کا خون بہنے لگے۔ (الدرالمختار علی رد المختار ج 1 ص 235، مطبوعہ دارا حیاء التراث العربی ، بیروت 1407ھ بحوالہ تبیان القرآن تحت سورہ بقرہ آیت 4)

یہی معاملہ مزارات پر جانے والوں کا بھی ہے ۔کوئی شخص مزار پر حاضری دینے گیا ہو اور حاجتیں نہ مانگ رہا ہو تو اس کی تکفیر کیسے ہوسکتی ہے؟
اسی طرح کوئی شخص جہالت کی بنیاد پر ایسے کام کر رہا ہو تو جلد بازی میں تکفیر کے بجائے پہلے اس کو سمجھایا جائے گا ۔یہ شاہ صاحب کا کمال ہے لیکن بریلوی حضرات اس کو تضاد بنانے میں لگے ہوئے ہیں، افسوس!
بالفرض تضاد بھی ہوتا تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا تھا کہ دونوں عبارات آپس میں میل نہیں رکھتی، نہ یہ کہ پوری کتاب یا عبارت کو ہی تحریف شدہ کہہ دیا جائے ۔
تاویل نمبر ۳: یہ بات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی دیگر کتابوں بلکہ اسی تفہیمات الٰہیہ کے دوسرے مقام کے خلاف ہیں، مزید یہ کہ باقی علماء بھی اس کی زد میں آتے ہیں (مفہوم کشف القناع ج2 ص 48 تا 59)
جواب: جن کتابوں کے حوالے ارشد چشتی نے دیئے ہیں ان میں سے ایک بھی موصوف کے دعوے کو ثابت نہیں کرتا ۔ ان حوالوں میں صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس اللہ تعالٰی سے دعا مانگنا قبولیت کا باعث ہے یا وہاں اولیاء اللہ کے فیوض و برکات کی وجہ سے دعا قبول ہوتی۔ اس کے تو ہم منکر نہیں اور نہ ہی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تفہیمات الٰہیہ میں اس چیز کا رد کیا ہے۔ خواہ مخواہ میں اس کو تضاد بنانا بے وقوفوں کا ہی کام ہے۔
خود ارشد چشتی نے بھی یہی لکھا ہے کہ :

"حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بے شمار واقعات ذکر فرمائے ہیں جن میں اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری، ور فیوض و برکات کا حصول مروی و منقول ہے۔" (کشف القناع ج2 ص 54)

کہاں مزارات پر حاضری، ان سے حصول فیوض اور کہاں مزارات پر جاکر صاحب قبر سے مانگنا!
دونوں باتیں الگ الگ ہیں لہٰذا ارشد چشتی کا اس کو تضاد بنانا ایک جاہلانہ حرکت کے سوا کچھ بھی نہیں ۔
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مزارات پر جاکر صاحب قبر سے مانگنے کا رد کیا ہے ، انہوں نے اولیاء اللہ کے فیوض و برکات کا کب انکار کیا؟

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پر عظیم بہتان:

ارشد چشتی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے لکھا کہ :

" ان کے نزدیک اولیاء اللہ سے استمداد کرنا جائز ہے ۔" (کشف القناع ج2 ص 54)

یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک عظیم بہتان ہے، وہ اس وجہ سے کہ خود شاہ صاحب نے اس بات کا رد کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ الخیر الکثیر میں فرماتے ہیں :

" میت کے لئے مغفرت کی دعائیں کریں اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اس کے گناہوں کو بخش دیتا اور اس کے درجہ کو بلند فرما دیتا ہے ۔ لیکن یہ جو استمداد اور فاتحہ وغیرہ مروج ہے۔کچھ بھی نہیں " (مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ ج 1 صفحہ 617)

اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ :

" امراض قلوب میں سے ایک وہ شرک باللہ ہے جس میں غیر اللہ سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں ۔غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں ۔ان کے لئے ذبح کرتے ہیں ۔ان کے لئے منتیں مانتے ہیں اور ان کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں ۔" (ایضاً صفحہ 637)

اسی طرح مشرکین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

" یہ لوگ اپنے اصنام کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے ان سے مرادیں مانگتے تھے ۔ان کے نام پر ذبح کرتے تھے، ان کی یاد میں مشغول رہتے ۔(ان کا نام جپتے رہتے) اور استعانت و استغاثہ کے طور پر ان کو پکارتے تھے ان کے لئے منتیں مانتے تھے، اور ان کے نام کی قسمیں کھاتے تھے ۔"
(ایضاً صفحہ 638)

حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ :

" اور انہی امور شرکیہ میں سے یہ تھا کہ مشرکین اپنے اغراض کے لئے غیر خدا سے امداد طلب کیا کرتے تھے ۔بیمار کی شفاء ور فقیروں کی تونگری کو ان سے طلب کرتے تھے ۔ان کے لئے نذریں مانتے تھے ۔ان نذروں سے ان کو حل مطالب کی امید ہوا کرتی تھی ۔تبرکاً ان کے نام جپا کرتے تھے ۔"
(حجۃ اللہ البالغہ اردو ص 120)

قارئین، ان حوالوں سے معلوم ہو کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک غیر اللہ سے استمداد شریعت میں کوئی چیز ہی نہیں بلکہ یہ مشرکین کا کام ہے۔ اب ان واضح اور صریح حوالوں کے ہوتے ہوئے یہ کہنا

کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ غیر اللہ سے استمداد کے قائل تھے جھوٹ، فریب، دھوکہ اور بہتان نہیں تو اور کیا ہے؟

قبر کے پاس دعا کرنا

بریلوی مصنف نے کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے صفحہ 59 سے صفحہ 102 تک کل 43 صفحات پر مشتمل اپنا مضمون شامل کیا ہے جس کا نچوڑ یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے اور اسلاف ایسا کرتے تھے۔ (خلاصہ کشف القناع ج 2 ص 59 تا 102)

جواب:

ارشد چشتی صاحب کو اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم نے یا ہمارے اکابرین نے کب اس کا انکار کیا ہے؟ کیا موصوف کوئی مستند حوالہ پیش کرسکتے ہیں جس میں علماء دیوبند نے قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کو شرک قرار دیا ہو؟ سنی حضرات تو وہاں بھی دعا اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں لہذا شرک کا کوئی فتویٰ نہیں لگ سکتا، ہاں اگر رضاخانیوں کی طرح صاحبِ قبر سے ہی مانگنا شروع کرے تو وہ صورت ضرور شرک ہے۔ارشد چشتی نے جتنے حوالے نقل کئے ہیں ان میں قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا ذکر ہے نہ کہ قبر والے سے مانگنے کا۔ موصوف کو چاہیے کہ وہ قبر والے سے مانگنے پر کوئی حوالہ نقل کریں۔
ارشد چشتی سے حوالے کی امید تو بیکار ہے لہذا ہم اپنے موقف کی تائید میں اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے یک حوالہ پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا ابو بکر غازی پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

> "جو جگہ بھی حضور سے یا صحابہ کرام سے یا کسی نبی اللہ اور ولی اللہ سے نسبت رکھے گی وہ مقدس و مبارک ہوگی، اسی طرح سے جو چیز بھی کسی نبی کسی رسول کسی اللہ والے سے نسبت رکھے گی وہ مقدس ہوگی، اور ایسی تمام اشیاء اور مقامات کا احترام کرنا ایمان کا تقاضا ہے، اور اس ذات مقدس سے محبت و تعلق کی علامت ہے، اور ان اشیاء اور جگہوں کی معنوی تاثیر کا انکار کرنا جہالت اور زندقہ ہے، اور اسی جہالت و زندقہ میں دورِ حاضر کی سلفیت گرفتار ہے، اس لئے وہ حضور ﷺ کی قبر شریف کے پاس دعا کرنے کو ناجائز قرار دیتی ہے، اور اس کے لئے وہ احادیث پاک کے معانی بیان کرنے میں تحریف کرتی ہے۔" (ارمغان حق جلد سوم صفحہ 126)

اسی طرح آگے اہلسنت والجماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" ایک بات خوب یاد رکھئے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی ذات یا ان سے منسوب جگہوں اور اشیاء سے توسل حاصل کرنا اور چیز ہے، اور خود ان کی ذات کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا اور چیز ہے، پہلی چیز کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور دوسری چیز کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، غیر مقلدین کی جہالت ہے کہ انہوں نے دو الگ الگ چیزوں کا حکم ایک کر دیا ہے۔ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی قبر شریف کے پاس دعا کرنے کو باعثِ اجابت و قبولیت سمجھتے ہیں، ہم حضور ﷺ کی ذات اقدس کو معبود کا درجہ ہرگز نہیں دیتے ہیں، نہ ہم اللہ کے نبی ﷺ میں خدائی صفات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں ۔"(ارمغان حق جلد سوم صفحہ 126)

نوٹ:
ارمغان حق میں اس صفحے پر پرنٹنگ کی کچھ اغلاط تھی، ہم نے ان کو درست کرکے عبارت لکھ دی ہے ۔
اس وضاحتی حوالے کے بعد امید ہے ارشد چشتی کے دماغ میں بھی یہ بات آگئی ہوگی کہ " انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی ذات یا ان سے منسوب جگہوں اور اشیاء سے توسل حاصل کرنا اور چیز ہے، اور خود ان کی ذات کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا اور چیز ہے" ۔ اس تفصیل سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارات کی بھی مزید وضاحت ہو گئ جو موصوف نے کشف القناع جلد دوم صفحہ 49 سے 59 تک نقل کئے ہیں ۔ مزید تفصیل کے لئے مولانا ابو بکر غازی پوری رحمہ اللہ کا مضمون بنام **"کیا کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس دعا کرنا شرک ہے؟"** ملاحظہ کیجئے وہ ان کے مجموعہ مضامین ارمغان حق کی تیسری جلد کے صفحہ 118 پر شروع ہوتا ہے ۔
یہاں یہ بھی یاد رہے کہ یہ صرف علماء دیوبند کا ہی نظریہ نہیں بلکہ اسلاف کا بھی یہی نظریہ تھا، امام ولی الدین العراقی (۷۶۴ - ۸۴۶ ھ) نے بھی یہی لکھا ہے کہ قبور کی زیارت کرنا اور وہاں توسل سے دعا کرنا تو جائز ہے لیکن صاحبِ قبر سے مانگنا منکر عمل ہے (دیکھئے فتاویٰ العراقی 168)
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا حوالہ بھی پیچھے گزر چکا ہے کہ میت کے لئے مغفرت کی دعا تو جائز ہے لیکن استمداد وغیرہ شریعت میں کوئی چیز ہی نہیں ۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اور دیگر اکابرین امت کا بھی یہی نظریہ ہے ۔

گستاخی کے الزام کا جواب

حضرت علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب نے تفسیر مظہری سے ایک روایت کے یہ الفاظ نقل کئے

" مرض وفات میں رسول اللہ ﷺ نے دھاری دار کمبل سے چہرہ مبارک ڈھانک لیا اور دم گھٹا تو منہ سے ہٹا دیا" ۔ اس کے بعد حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے بریکٹ میں وضاحت کی

کہ" (اللہ اکبر ساری دنیا کے مشکل کشا، حاجت روا، مختار کل کو اپنی سانس مبارک پر بھی اختیار نہیں: از ناقل) " (دفاع اہلسنت ج 1 ص 137)

اس پر ارشد چشتی نے خواہ مخواہ صفحہ 102 سے 106 تک اوراق سیاہ کئے اور مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب کو گستاخ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔
موصوف کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بات مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے حدیث شریف کی تفصیل بتاتے ہوئے بیان کی ہے، گویا اس بات کی بنیاد حدیث شریف ہے۔لہٰذا مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب کو گستاخ کہنے سے پہلے حدیث شریف پر غور کر لیجیے۔
مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بریلوی حضرات کے نزدیک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت کے مالک ہیں تو کیا وجہ ہے کہ کمبل کی وجہ سے ان کے سانس مبارک کو تکلیف ہوئی؟ اگر سب اختیارات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تو یہ اختیار کیوں نہ دیا؟
اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کا ہرگز بھی کوئی مقصد نہیں تھا۔ دیکھئے اسی عبارت میں مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے کس ادب سے" چہرہ مبارک " اور " سانس مبارک " جیسے الفاظ کا استعمال کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا خیال رکھا ہے۔کیا ایسا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے بارے میں سوچ بھی سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

مرجوح اقوال؟

علماء احناف کی کتب میں ایک مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ اگر کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور یہ کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو یا فرشتے کو گواہ بناتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ (دیکھئے فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری، مالا بد منہ، البحر الرائق وغیرہ)
مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے بھی یہی مسئلہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی کتاب مالا بد منہ سے نقل کیا (دفاع اہلسنت ج 1 ص 138)۔ جس پر ارشد چشتی تذبذب کا شکار ہو گیا اور وہی پرانی تاویلات شروع کر دی جن کے جوابات علماء اہلسنت والجماعت دے چکے ہیں۔ ارشد چشتی نے صفحہ 106 سے 111 تک اس بات کی یہ تاویل پیش کی کہ یہ مرجوح قول ہے لہٰذا اس سے استدلال جائز نہیں۔
جواب: یہ ارشد چشتی کی جہالت ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اس قول کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ نقل کیا ہے۔ امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے ان تاویلات کا دندان شکن جواب اپنی مشہور اور مقبول کتاب " تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر و الناظر یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک " میں دے دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :

" یہ اعتراض سر تا پا لغو اور بیہودہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ قیلَ یا رُوِیَ وغیرہ تمریض کے صیغہ سے تو

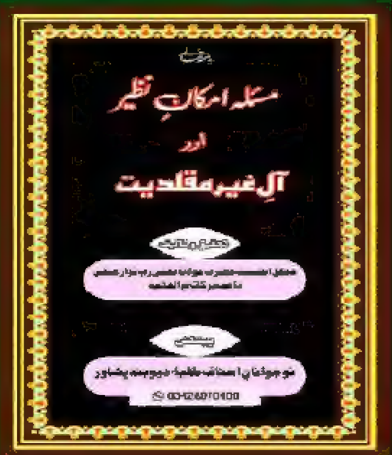
امام قاضی خانؒ نے یہ مسئلہ بیان نہیں کیا بلکہ پوری ذمہ داری سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرات فقہاء کرامؒ کا قول ہی صرف یہ ہے کیونکہ قَالَ یا قَالُوا درحقیقت بیانِ حال واقعی کے لئے آتا ہے۔
ثانیاً اگر بالفرض امام قاضی خانؒ کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے تو دوسرے حضرات فقہاء احنافؒ کے نزدیک تو یہ ضعیف نہیں ہے وہ تو بہرحال قَالُوا اسی کے قائل ہیں اور یہ ان کا مفتٰی بہ قول ہے،
وثالثاً حافظ ابن ہمامؒ اور ملا علی القاریؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں -
وذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب
کہ حضرات علماء احنافؒ نے صراحت کیساتھ یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ جناب رسولِ خدا صل اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، خالص کفر ہے۔ (مسایرہ ج۲ ص ۸۸ و شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵)
غور تو کیجئے کہ حضرات فقہاء احنافؒ کس ذمہ داری اور کیسی صراحت اور وضاحت سے یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ رکھنا سراسر کفر ہے۔" (آنکھوں کی ٹھنڈک صفحہ 73،74)

مزید تفصیلی جواب کے لئے لئے امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب " آنکھوں کی ٹھنڈک " صفحہ 73 سے 81 تک مطالعہ کیجئے۔ (جاری)

ہمارے چند دیگر کتب ورسائل





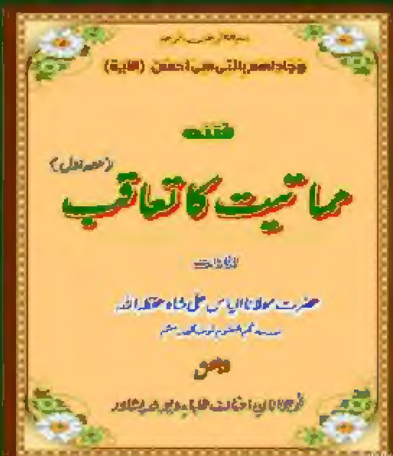














ناشر: نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور